UNIVERSAL LIBRARY
OU_188718
UNIVERSAL LIBRARY

۹۲۲۴۹۷۱ محمد - م

محمد انوار الحق ۔ ۲۸۲۱

تذکرۃ الحبیب ۔ 7841

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No. ۷۸۴۱ 7841

Author تذکرۃ الحبیب از مفتی محمد انوار الحق

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

تذکرۃ الحبیب

از

مفتی محمد انوار الحق عفی عنہ

۲۳۲۹۱۱

قیمت فی جلد ایک روپیہ

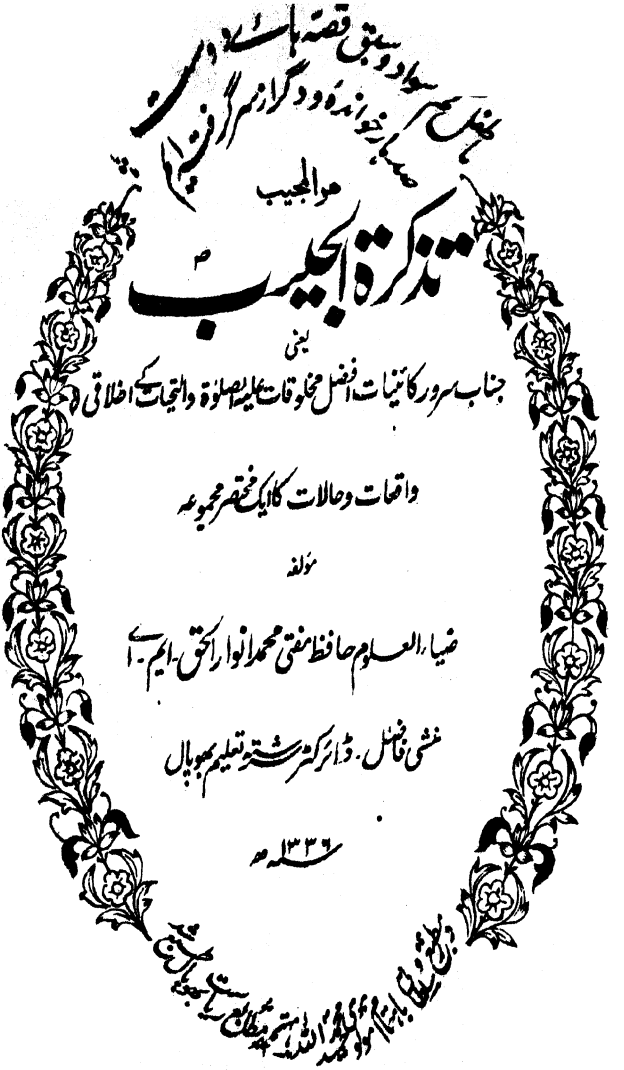

سہل ہے سواد و سبق قصہ ہائے درست
کہ ہمہ خوانندہ و دگر از سر گرفتند

ھو المجیب

تذکرۃ الحبیب ؐ

یعنی

جناب سرور کائنات افضل مخلوقات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے اخلاقی

واقعات وحالات کا ایک مختصر مجموعہ

مؤلفہ

ضیاء العلوم حافظ مفتی محمد انوار الحق۔ ایم۔ اے

منشی فاضل۔ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بھوپال

سنہ ۱۳۳۶ھ

در مطبع سلطانی باہتمام مولوی محمد عبداللہ مہتمم مطبع ریاست بھوپال طبع شد

تہدیہ

مین دلی شکرگزاری اور مخلصانہ عقیدتمندی سے اس ناچیز کتاب کو بہ ادب اپنے محسن و ولی نعمت

عالیجناب معلے القاب نوابزادہ حاجی میجر محمد حمید اللہ خان صاحب بہادر

بی۔ اے (علیگ) ادامہ اللہ بالعز والاقبال

چیف سکریٹری دربار بھوپال

کے نام نامی و اسم گرامی پر

اس دعا کے ساتھ معنون کرتا ہون کہ

اے سروِ روانِ گلشنِ جاہ و جلال ؎ اے دُرِّ یتیمِ قلزمِ فضل و کمال
قایم وہ تاج جس مین ہے تجھ سا گہر ؎ سرسبز وہ باغ جس مین ہے تجھ سا نہال

خادم خاکسار انوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مدعائے تالیف

قرآن مجید کے بعد ہم مسلمانوں کے لئے احادیث وسُنن نبوی کے برابر کوئی مضمون مقدس اور محترم نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے فقط ہماری کتاب اللہ کی تفسیر اور ہمارے احکام و اعمال مذہب کی تشریح ہی نہیں ہوتی بلکہ ہم کو اسلام کی سچی اور اصلی تعلیم کی بہترین مثال اور محاسن اخلاق و معاشرت کا کامل ترین نمونہ بھی ان ہی حالات میں نظر آتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قدر اہمیت اور ضرورت کے باوجود بھی احادیث کا علم زیادہ تر علما کے مختصر طبقہ میں محدود رہا اور امت مرحومہ کا بیشتر حصہ اپنے رہبر صادق اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واقعات حیات سے ناواقف اور بیخبر ہے جو عملی زندگی کے ہر ایک مرحلے میں اس کے لئے چراغ راہ اور شمع ہدایت ہونے چاہئیں۔ کیونکہ خود کلام مجید کا ارشاد ہے۔ کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب ع ۳)

اے مسلمانو۔ بلاشبہ تمہارے لئے یعنی اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور روز قیامت سے ڈرتے ہیں اور یاد الٰہی کرتے ہیں رسول خدا کا قابل تقلید عمدہ نمونہ موجود ہے

مگر بہر کیف ابتک بھی جو کیفیت تھی وہ ایک حد تک غنیمت تھی کیونکہ بزرگون کی حسن تربیت اور عالمون کے فیض صحبت نے ہم کو مذہبی اثر سے بالکل ناآشنا ہونے سے بچا رکھا تھا۔ لیکن اب کہ ایک طرف تو علمائے کرام کی جماعت مین ناموافقت اسباب اور ناقدردانی زمانہ سے روز بروز کمی ہوتی چلی جاتی ہے جس کی تعلیم جدید سے مطلق تلافی کی امید نہین ہے۔ اور دوسری طرف بزرگان سلف کے قایم مقام ہم لوگ ہین جو بعینہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہین کہ:-

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (الایۃ مریم ع۴)

ترجمہ۔ انکے پیچھے ایسے لوگ انکے جانشین ہوئے جنہون نے نماز کو خراب کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی

تو ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ ہماری آیندہ نسلین تعلیم مذہب سے جسقدر بیگانہ اور تعمیل سنت سے جسقدر بے بہرہ ہون اتنا ہی کم ہے مگر یقیناً انکی اس بے اعتنائی اور لاپروائی کا وبال ایک درجے تک ہماری گردنون پر بھی ہوگا لہذا ہی وجوہ سے مجھے اپنے نقطہ خیال کے مطابق حتی المقدور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ؕ

مسلمانون نے اپنے رسول مقبول صلعم کے اقوال و افعال کی حفاظت اور نگہداشت مین جس سچی محبت اور دلی عقیدت کا ثبوت دیا ہے یقیناً دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قوم اس کی نظیر نہین دکھا سکتی اور انکی مساعی جمیلہ ہمارے لئے ہمیشہ قابل فخر رہینگی۔ یہ ان ہی کی عرق ریزی اور جانکاہی کا نتیجہ ہے کہ اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جناب سالمآب علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کا بیشتر حصہ آجتک کتب احادیث کے صفحات مین لفظاً لفظاً موجود اور محفوظ ہے مگر چونکہ اب روز بروز کان اور زبان عربی سے اور دل اور دماغ مذہب سے ناآشنا ہوتے جاتے ہین اسلئے وہ مقدس اور

بے بہا علمی وِرثا ہوا ر عملی طور پر بہت کم زیب گلو اور آرائش دستار ہوتے ہین اور دنیا کی اخلاقی پستی اور مذہبی تاریکی کے باوجود بھی جواہر شبچراغ کتابون کے خزانون ہی مین مقفل ہین کیا یہ غیرت کی بات نہین ہے کہ اسوۂ حسنہ نبوی کے ہوتے ہوئے بھی ہم حسن معاشرت مین غیرون کے نمونون کو اپنا نصب العین بنائین۔ اور جب ہمارے بچے مکتب مین جائین تو وہ تاریخی معلومات کے لئے نہین بلکہ اخلاقی سبقون کے طور پر اپنے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت ہی سچے اور یقینی واقعات کو چھوڑ کر مشرق و مغرب کے لوگون کے فرضی قصے اور بے سرو پا افسانے سنین اور یاد کرین اور پھر کیا اسی تعلیم کے بعد ان سے یہ امید رکھی جاتی ہے کہ بڑے ہو کر وہ اتباع سنت مین اپنے بزرگان سلف کے خلف صالح ہونگے حالانکہ

خشت اول چون نہد معمار کج ؛؛ تا ثریا میرود دیوار کج

اس ضرورت کو پیش نظر رکھکر مینے اس مختصر سی کتاب کی تالیف کا ارادہ کیا چونکہ مین اسلام کی تعلیم کے مختلف پہلوؤن پر اپنی ایک سابقہ کتاب "حقایق اسلام" مین بحث کر چکا ہون اس لئے مینے اس کتاب مین جناب رسالتمآب صلعم کے مذہبی احکام اور اقوال کا زیادہ مفصل ذکر کرنے کی بجائے انکی حیات بابرکات کے وہ حالات اور واقعات پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب تمام اخلاق و صفات حسنہ کا ایسا جامع اور مکمل نمونہ تھے اور جو ہدایات وارشادات وہ اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرماتے تھے اُن پر خود کس قدر احتیاط اور شدت سے کاربند ہوتے تھے۔ یہ حالات خود ہی آنجناب کے اشرف الناس اور خیر البشر ہونے کا کافی اور قطعی ثبوت ہین اور اسکے بعد پھر اس دعوے کی تصدیق کے لئے قولی شہادتین پیش کرنے کی حاجت نہین رہتی۔ اس کے علاوہ اس سے یہ فائدہ بھی متصور ہے کہ ان واقعات کو پڑھکر لوگون کے دلون مین حتی الامکان ان کی تقلید کا خیال زیادہ راسخ ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ انسانی طبیعت

کا خاصہ ہے کہ اس کے لئے صرف زبانی نصیحت پر عمل کرنا زیادہ شاق ہوتا ہے اور اگر وہی بات کسی واقعہ کے پیرائے مین بیان کیجائے تو اُس پر عمل کرنا زیادہ آسان ہوجاتا ہے اس لئے میرے نزدیک یہ دکھانا زیادہ مناسب ہے کہ فلان موقع پر جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یون کیا۔ بہ نسبت اس کے کہ صرف یہ کہدیا جائے کہ آپ نے یہ حکم دیا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ محض اقوال سے کسی شخص کی واقعی حالت معلوم نہین ہوتی جبتک کہ اُس کے افعال سے ان کی تائید نہ ہو۔ اس لئے اگر متبعین کے لئے صرف ارشادات ہی کافی سمجھے جائین تب بھی معترضین کی زبان حرف گیری کو وہ نہین پکڑ سکتے۔ اسکے مقابلے مین واقعات دوست و دشمن اور یار و اغیار سب کے سامنے یکسان پیش کئے جاسکتے ہین اور اگران کی صداقت مشتبہ نہو تو وہ یقیناً اپنے دعوون کی نہایت مستحکم اور قاطع دلیل ہوتے ہین اس کے متعلق مجھے اتنا ہی کہدینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے تمام واقعات حدیث کی نہایت مستند کتابون سے لئے گئے ہین (جنکے نام کیساتھ صفحے اور سطر تک کا حوالہ دیدیا گیا ہے) بلکہ ان مین سے اکثر کا ماخذ تو صحیح بخاری ہے جو اہل اسلام کی نظرون مین تو کلام مجید کے بعد دوسرے درجے کی کتاب ہے۔ لیکن غیر اگر اس مذہبی نقطۂ خیال سے قطع نظر کرلین تب بھی اس مین مطلق شبہہ نہین ہوسکتا کہ خاص تاریخی حیثیت سے بھی اس کا درجہ کسی طرح دنیا کی اکثر تاریخون سے کم نہین کہا جاسکتا۔ اور اگرچہ ان کے جامع امام بخاری رحمہ اللہ آنجناب کی حیات کے تقریباً دو سو برس بعد ہوئے ہین (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) پھر بھی جسقدر تجسس اور تفحص سے انہون نے احادیث نبوی کو جمع کیا ہے اس کے مقابلہ مین آج کل کے محرران خصوصی کے چشم دید واقعات مین کیا کہون کہ کتنی وقعت رکھتے ہین اہل نظر خود ہی اندازہ کرسکتے ہین اور اس مین تو کوئی شک ہی نہین کہ دنیا کے اور کسی مذہبی پیشوا کے حالات اتنی جہان بین سے ہرگز فراہم نہین کئے گئے اور

اس کے سامنے دیگر اقوام عالم کے بزرگون کے حالات بے بنیاد کہانیون اور بے سروپا افسانون سے زیادہ قابل اعتبار نہین ہین۔ فی الحقیقت جامع بخاری محض حسن ظن اور خوش اعتقادی ہی کی وجہ سے اصح الکتب نہین کہی جاتی بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس مین ذرا بھی شک باقی نہین رہتا کہ اس کا یہ دعوے بالکل صحیح اور حق بجانب ہے اور یقیناً دنیا کی اور کوئی کتاب اسقدر تحقیق اور تفتیش سے نہین لکھی گئی امام بخاریؒ نے ہر ایک حدیث کو اپنی کتاب مین لینے کے لئے یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ اس کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہون اور ان راویون کا سلسلہ بلا فصل کسی صحابی تک پہنچتا ہو۔ یعنی اس کا اول راوی کوئی ایسا صحابی ہو جس نے خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کام کرتے ہوئے یا وہ بات کہتے ہوئے دیکھا یا سنا ہو۔ پھر جس شخص نے ان سے روایت کی ہو اُسنے خود ان کی زبان سے ہی اسکو سنا ہو۔ کسی اور کی زبانی ان کے حوالے سے سنکر اسے نقل نہ کر دیا ہو۔ اسی طرح پھر اس سے جس کسی نے روایت کی ہو اُس نے بھی خود اسی کی زبان سے اس کو سنا ہو۔ یہانتک کہ یہ سماعت و روایت کا تسلسل امام بخاری پر ختم ہوا ہو۔ اس طرح عموماً چار پانچ واسطون سے سلسلہ روایت آنجناب تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن صرف یہی ایک شرط کافی نہین ہے یہ بھی ضروری ہے کہ راویون کے اس تمام سلسلہ مین ہر ایک شخص بالکل سچا اور معتبر ہو۔ ایسا نہو کہ اپنے استاد کا نام ظاہر نہ کرے (یعنی اسکا استاد بھی مسلم اور مستند فاضل ہو) یا واقعات اور بیانات کو خلط ملط کر دے۔ اس مین عدل و ضبط کی صفتین موجود ہون وہ قوی الحافظہ ہو سلیم الذہن ہو قلیل الوہم ہو صحیح الاعتقاد ہو یعنی اسے احادیث نبوی کے یاد رکھنے کا شوق بھی ہو۔ یاد رکھنے کی قابلیت بھی ہو۔ یاد رکھنے کی لیاقت بھی ہو۔ اپنی طرف سے ملانے یا کم و بیش کرنے کی ضرورت بھی نہو۔ جرارت بھی نہو۔ اور غلطی سے ایسا ہو جانے کا احتمال بھی نہ ہو۔ اگر ان مین سے کسی حیثیت سے بھی کوئی راوی پورا نہ اترا اور زنجیر کی کوئی ایک کڑی بھی کمزور پائی گئی تو وہ حدیث خواہ کیسی ہی ہو جامع بخاری مین لکھی جانے

کے قابل نہیں رہی۔ بلکہ اُنھوں نے تو یہ بھی کوشش کی کہ حتی الامکان صحابہ سے روایت کرنے میں ایک ہی حدیث کے ایک سے زیادہ روایت کرنے والے بھی ملیں اور پھر ان راویوں سے روایت کرنے والے بھی ایک سے زیادہ ہوں اور پھر اگر ان سب مختلف روایتوں میں کچھ اختلاف ہو گیا تو وہ حدیث ترک کر دی گئی۔ آپ شاید پوچھیں کہ ہر شخص کی اتنی باتیں کیونکر معلوم ہو سکتی ہیں۔ ہم کہینگے کہ اسماء الرجال سے۔ مسلمانوں میں یہ ایک فن ہی جداگانہ بن گیا تھا اور غالباً اس کی نظیر دنیا کی اور کسی قوم میں نہ ملے۔ وہ ہر شخص کے حالات جو کسی لحاظ سے بھی قابل ذکر تھا، نہایت احتیاط سے قلمبند کر لیتے تھے اور اگرچہ یوں کسی کے حالات کی کرید احکام اسلام کی بالکل خلاف ہے۔ مگر احادیث نبوی کی تنقیح و تحقیق کے لئے وہ اسکو ایک قسم کا فرض سمجھکر انجام دیتے تھے اور اس کی دیکھ بھال اور چھان بین میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے غرض یوں راویان حدیث میں سے بھی ہر شخص کو مرنے کے بعد مصر قدیم کی عدالت موتے کی طرح اپنے تمام افعال زندگی کی جانچ پڑتال کے واسطے اپنے اخلاف کی مجلس شورے میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور جب تک وہ اس امتحان میں کامیاب نہ ہوتا تھا تب تک اس کا بیان ساقط الاعتبار سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ ایک شخص جس سے روایت کر رہا ہے وہ اس کا ہمعصر بھی ہے یا نہیں۔ امام مسلم رح کے نزدیک تو صرف یہی کافی تھا مگر امام بخاری کی احتیاط اسپر بھی قناعت نہ کرتی تھی اور وہ اُن دونوں شخصوں کے باہم ملاقی ہونے کا بھی ثبوت چاہتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ امام بخاری رح نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے مکررات کو چھوڑ کر صرف چار ہزار حدیثیں اپنی کتاب میں لکھیں۔ مگر جس محنت اور کوشش سے یہ انتخاب ہوا ہوگا۔ جسقدر دور و دراز کے سفر کی اُنکو ضرورت پڑی ہوگی۔ جتنے آدمیوں کے اندرونی اور اخلاقی حالات کی تحقیق انہوں نے کی ہوگی۔ اس کا تصور آجکل کے آرام و آسائش کے زمانہ میں کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً اس سے زیادہ احتیاط انسانی امکان کے دائرہ سے خارج ہے اس کے ساتھ اس حسن اطاعت اور جوش عقیدت کو بھی ملا لیجئے

کہ امام بخاری رح فرماتے ہین کہ مینے اپنی کتاب الصحیح مین کوئی حدیث نہین لکھی جب تک کہ میں اس کے لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز ادا نہ کر لی۔ سبحان اللہ خدا انکو جزاے خیر دے۔

کیا ان روایتون کی سچائی پر فقط اس بنا پر شک کیا جائے (جیسا کہ اکثر یورپین مصنفین نے کیا ہے) کہ انکے قائل اور ناقل مسلمان تھے اور چونکہ وہ جناب رسالتمآب صلعم کی ہر ایک بات کو عقیدتمندانہ عزت و احترام سے دیکھتے تھے اس لئے انکے بیان چندان قابل اعتبار نہین (سبحان اللہ کیا عمدہ اعتراض ہے) البتہ انہون نے بڑی غلطی کی کہ سنن نبوی کو قلمبند کرتے وقت قرون مظلمہ کے روشن خیال مسیحی فضلا کو شہادت اور تصدیق کے لئے کیون نہ بلایا اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اور انکے اصحاب کرام کے حالات کی تحقیق یورپ کے پادریون سے کیون نہ کی۔ مگر مین یہ پوچھونگا کہ انصاف شرط ہے کیا کسی قوم کے بزرگ کے حالات اس کے پیرون کے سوا کسی اور نے بھی لکھے ہین۔ کیا مسیحیون کو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوہ کے تقدس اور الوہیت کے جو دعوے ہین وہ یہودیون کی تحریرون اور تصدیقون پر مبنی ہین۔ کیا بدھ کی عظمت اور بزرگی ہندوؤن کی تاریخ سے ماخوذ ہے۔ اور اگر انکے حالات یاد رکھے جاتے ہین تو کیا انصافاً کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلا وجہ مسلمانون کی تکذیب کرے۔

اسپر بھی مینے واقعات مین آنجناب کی خصوصیات اور معجزات کو نہین لیا اسوجہ سے نہین کہ وہ کچھ نا قابل اعتبار ہین بلکہ اس خیال سے کہ وہ ہمارے دائرہ بحث سے چندان تعلق نہین رکھتے کیونکہ اس تالیف سے ہمارا مدعا جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی سیرت نگاری نہین ہے۔ بلکہ صرف اس کامل ترین انسان اور افضل ترین خلق کی بود و باش کی چند مثالین پیش کرنی ہین تاکہ ہم ان کو اپنا نصب العین بنا سکین۔ اور ظاہر ہے کہ جو باتین آپ کے خصایص مین داخل ہین وہ کسی دوسرے کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہین۔ اسلئے یہان ان کا ذکر بھی غیر ضروری ہے۔ اتنی احتیاط کے بعد بھی اگر کسی کو ان واقعات کی صحت مین کلام ہو تو مین اسکے سوا اور کیا کہہ سکتا ہون کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ابتدائی حالات

ہم کو صدف کونین کے اُس دریتیم کے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہین اسوقت کون جانتا تھا کہ یہ بے ماں باپ کا بچہ محض اپنی اخلاقی اور روحانی طاقت سے فخر المرسلین اور خاتم النبیین کے لقب سے ممتاز ہوگا اور صرف عرب ہی کا نہین بلکہ تمام دنیا کا نقشہ بدل دیگا۔ مگر پھر بھی اس مین شک نہین کہ اوائل عمر ہی مین صفات حسنہ کے غیر معمولی آثار آنجناب کی تمام حرکات وسکنات سے نمایان تھے۔

اگر ہمکو وہ حالات معلوم ہوتے تو ہم بتا سکتے کہ اس بچہ مین وہ کونسی خوبیان تھین جنکی وجہ سے سب لوگ اسے سرون پر بٹھاتے تھے اور اس کے لئے آنکھین بچھاتے تھے۔ اسی برس کے بوڑھے اور ضعیف شیخ قریش (عبدالمطلب) ہین کہ اس شش سالہ بچے کو کسی وقت نظرون سے جدا نہین ہونے دیتے۔ اور جہان جاتے ہین اسے اپنے کلیجے سے لگائے پھرتے ہین انکے بعد ابوطالب ہین کہ کاروبار تجارت کے لئے مکہ کو چھوڑکر دور دراز شہرون مین جاتے ہین تب بھی بھتیجے کی فرقت گوارا نہین کرتے اور ان کو سفر وحضر مین ہمیشہ ساتھ ہی رکھتے ہین گو ممکن ہے کہ یہ فرط شفقت ومحبت خون کے جوش اور آنجناب کی یتیمی اور بیکسی ہی کی وجہ سے ہو مگر پھر بھی اس سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ بچپن مین بھی آپکے اخلاق واطوار کتنے پسندیدہ ہونگے جن کی وجہ سے آپ اسقدر ہر دلعزیز تھے اور یہ امر بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس اوائل عمر ہی مین صفات حسنہ کے غیر معمولی آثار آپکی تمام حرکات وسکنات سے نمایان تھے۔

یہ قیاس محض حسن ظن پر ہی موقوف نہین ہے بلکہ آنجناب کی ابتدائی زندگی کے

جسقدر رجالات بھی ہم تک پہنچے ہین اُن سب سے اِس قیاس کی قطعی تائید ہوتی ہے احادیث مرویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کو بچپن مین بھی کھیل کود کا بالکل شوق نہ تھا اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی پڑی تھی کہ لہو ولعب مین بہت کم وقت ضایع کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابوطالب کے بچے صبح باہر نکلتے تھے تو بالکل میلے کچیلے ہوتے تھے اور آپ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوتے تھے۔ جب سب بچے کھانا کھاتے ہوتے تھے تو آپس مین چھین جھپٹ کرتے تھے۔ مگر آپ نہایت سنجیدگی سے رہتے تھے اور انکے ساتھ لڑنے جھگڑنے مین کبھی ہاتھ نہین بڑہاتے تھے۔ اسلئے ابوطالب آپکو سب سے الگ کھانا کھلانے لگے۔ (خصائص کبریٰ للسیوطی)۔

ام ایمن کہتی ہین کہ "مینے کبھی آپ کو بھوک پیاس کی شکایت کرتے ہوئے نہین سنا آپ صبح کو اُٹھ کر تھوڑا سا زمزم کا پانی پی لیتے تھے۔ بسا اوقات جب ہم کھانے کے لئے کہتے تھے تو آپ کہدیتے تھے کہ "مین نہین کھاؤنگا۔ مجھے بھوک نہین" (خصائص کبریٰ للسیوطی)

اپنے بچپن کے واقعات کے متعلق ایک بار آپنے تذکرۃً خود ارشاد فرمایا کہ "مینے لڑکپن مین بھی اہل جاہلیت کے لغو اور بیہودہ مشاغل کا دو بار کے سوا کبھی ارادہ نہین کیا اور ان دونون بار بھی اللہ تعالےٰ نے مجھے ان سے بچائے ہی رکھا۔ ہوا یہ کہ مین اور قریش کے لڑکے اپنی اپنی بکریان چرایا کرتے تھے۔ ایک روز مینے اپنے ساتھ کے ایک لڑکے سے کہا آج رات تم ذرا میری بکریون کا بھی خیال رکھو تو مین اور لڑکون کی طرح شہر مین کہانیان سننے جاؤن چنانچہ مین مکے کے زیرین حصہ کے ایک گھر کے پاس آیا وہان مینے گانے بجانے کی آواز سنی مینے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ کسی کی شادی ہے۔ مین اُسے سننے لگا مگر اسی آواز سے مجھے نیند آگئی۔ ٹو مین ایسا سویا کہ صبح آفتاب کی تیزی سے آنکھ کھلی۔ مینے اپنے دوست کے پاس آکر یہ قصہ کہا۔ دوسری رات مینے پھر یہی کیا اور پھر گانا سننے گیا۔ مگر اس روز بھی مجھے نیند آگئی اور سویا تو صبح جب خوب دھوپ نکل آئی تب اُٹھا۔ جب مین اپنے دوست

کے پاس واپس آیا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے آج کیا کیا۔ تو مینے شرم کے مارے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ (کیونکہ وہ رات بھی سونے ہی مین گزری اور نہ کچھ دیکھا بھالا نہ کسی کھیل کود مین حصہ لیا) خدا گواہ ہے کہ اس کے سوا اور کبھی مینے زمانہ جاہلیت کی خصوصیات مین شرکت کا ارادہ نہین کیا خصائص کبریٰ ص۸۸)

یہ قصہ سن بلوغ سے بہت پہلے بچپن کے زمانہ کا ہے۔ زمانہ جاہلیت مین بھی آپکی شدت غیرت و فرط حیا کی یہ کیفیت تھی کہ جب اہل قریش کعبہ کی مرمت کے لئے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لیجا رہے تھے تو آپ بھی انکے ساتھ تھے اور آپ تہنبد باندھے ہوئے تھے حالانکہ اس زمانے مین عربون کو ستر عورت کا بہت کم خیال تھا۔ اور انکے ہان برہنہ پھرنا بالکل مکروہ نہ تھا۔ چنانچہ آپکے چچا حضرت عباس نے دیکھا تو انہین یہ خیال ہوا کہ مبادا آپکے کندہے پتھرون سے چھل جائین اس لئے انہون نے آپ سے کہا کہ اگر تم تہنبد اُتار دو تو مین اسے تمہارے کندہے پر رکھدون تاکہ پتھرون کی رگڑ نہ لگے" اور یہ کہکر بے تامل تہنبد کھینچ لیا۔ آپکو اپنی عریانی پر ایسی شرم آئی اور اتنا صدمہ ہوا کہ وہین بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اور اس کے بعد پھر کبھی کسی نے آپکو برہنہ نہ دیکھا۔ (بخاری ص۵۴۰ و خصائص کبریٰ ص۸۸)

اگرچہ ہمکو اس زمانے کے اور حالات معلوم نہین ہین تاہم عنفوان شباب مین بھی آپکی پاکدامنی۔ راستبازی۔ سنجیدہ مزاجی اور خوش معاملگی کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ قریش جیسے معزز اور خود پسند لوگون نے بالاتفاق آپکو باوجود کم سنی "امین" کا قابل فخر لقب دیدیا تھا اور نہایت اہم معاملات مین اہل مکہ آپکو حکم بناتے تھے۔

چنانچہ روایت ہے کہ جب کعبہ جل گیا اور اہل مکہ اسے گرا کر از سر نو بنانے لگے تو قبیلون مین اس بات پر جھگڑا اُٹھا کہ سنگ اسود کو اُٹھا کر اس کی جگہ کون رکھے یہ پتھر اسلام سے بہت پہلے سے مقدس مانا جاتا تھا اور ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ اس کو نصب کرنیکا فخر اسی کو حاصل ہو۔ بات اتنی بڑہی کہ قریب تھا کہ کشت وخون کی نوبت آجائے۔ لیکن آخر یہ طے ہوا کہ جو شخص

سب سے پہلے وہان پہنچے بالاتفاق سب اسی کو حکم بنالین اور جو کچھ وہ کہے اسی پر کاربند ہون حسن اتفاق کہ تھوڑی ہی دیر مین آنجناب تشریف لائے۔ آپکو دیکھکر سب لوگ بہت ہی خوش ہوے اور کہنے لگے کہ "یہ محمدؐ آگئے یہ امین ہین ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہین" اب آپکی خداداد فہم اور ذکاوت کو دیکھئے کہ آپنے کتنا عمدہ تصفیہ کیا۔ آپ نے سارا جھگڑا سنکر اپنی چادر مبارک بچھادی اور اسپر سنگ اسود کو رکھکر ارشاد فرمایا کہ ہر ایک قبیلہ کا بزرگ اس کا پلو پکڑکر اٹھائے اور یون سب ملکر اسے اسکی جگہہ تک پہنچادین۔ اس طرح کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ ملا اور وہ ذرا سا اختلاف جو عرب جاہلیت مین برسون کی خونریزی اور جنگجوئی کا باعث ہوسکتا تھا آپکی حسن تدبیر سے نہایت خوبی کے ساتھہ رفع ہوگیا اسی لئے آنجناب نے فرمایا ہے کہ

وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَمِیْنٌ فِی السَّمَآءِ وَاَمِیْنٌ فِی الْاَرْضِ (شفا ص ۵۹)	خدا گواہ ہے کہ مین آسمان پر بھی امین ہون اور زمین پر بھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپکے انہی صفات حسنہ سے متصف اور معروف ہونے کی وجہہ سے آپکو اپنے تجارتی کاروبار کا نگران اور قافلہ سالار بناکر دو مرتبہ شام کی طرف روانہ کیا حالانکہ اسوقت سن شریف بیس برس سے کچھہ ہی زیادہ تھا۔ اس زمانے کے تجارتی تجربے سے حضرت خدیجہ کو ان تمام باتون کی اچھی طرح تصدیق ہوگئی جو اُنھون نے آنجناب کی بابت سنی تھین اور ان کی بیشمار خوبیون نے انکو اتنا لبھا لیا کہ انھون نے اپنی وجاہت اور دولتمندی اور کثرت خواستگاران کے باوجود بھی تمام شرفاے مکہ مین سے آپکو ہی اپنی شوہری کے لئے انتخاب کیا حالانکہ آنجناب کے پاس اسوقت ظاہری شان وشوکت اور دنیوی ساز وسامان کچھہ بھی نہ تھا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہل مکہ کے دلون مین محض آپکے مکارم اخلاق کی وجہہ سے آپکی کیسی عزت وعظمت تھی۔ اس شادی سے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات تلاش معاش سے بیفکر اور ضروریات دنیا سے

بے نیاز ہوگئے۔ مگر یہی ان زندگی کا سب سے زیادہ نازک وقت تھا۔ دولت اور جوانی دو ہی چیزیں ہین جنسے حقیقت مین آدمی کی طبیعت کا امتحان ہوتا ہے ورنہ ناچاری اور ناداری توسب ہی کو پارسا بنائے رکھتی ہے۔ آنجناب باوجودیکہ اسوقت تک شرف رسالت سے سرفراز نہین ہوئے تھے پھر بھی تمول نے آپ کے زہد وانقا کو اور بھی زیادہ بڑھا دیا اور آپکا وہ وقت جو پہلے فکر معاش مین صرف ہوتا تھا اب وہ بھی اسرار الٰہی پر غور کرنے مین گزرنے لگا آپ کا یہ شیوہ ہوگیا کہ آپ شہر کے باہر غار حرا مین تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن تک وہین مراقب اور گوشہ نشین رہتے اور بالخصوص رمضان کا تو پورا مہینہ اعتکاف ہی مین گزر جاتا تھا (سیرت ابن ہشام ص۱۲۷)

غرض یون معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک قدرت ہر ایک پہلو سے آنحضرت کو اسی اہم خدمت کی انجام دہی کے لئے موزون کر رہی تھی۔ جس کے لئے خدا نے ازل ہی مین آپکو انتخاب کر لیا تھا اور جسکے اظہار کے لئے فقط وقت کا انتظار تھا۔

آنجناب کے بعثت سے پہلے کے حالات کے متعلق یہان صرف ایک اور واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکی عام اخلاقی خوبیون کا نقش آپ کے دشمنون کے دلون پر بھی اتنا راسخ ہوچکا تھا۔ کہ وہ لاکھ آپکو متہم اور بدنام کرنا چاہتے تھے مگر پھر بھی اُن کو بادل ناخواستہ ہر ایک بات مین آپکی تعریف ہی کرنی پڑتی تھی۔ ابوسفیان سے روایت ہے کہ "جس زمانہ مین جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے قیصر روم ہرقل کو اسلام کی دعوت دی اس زمانے مین ہم شام تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے ہرقل نے آپکا حال دریافت کرنے کے لئے ہمکو شہر ایلیا مین بلایا۔ ہم اُس کے دربار مین آئے۔ ہرقل کے آس پاس عظمائے روم بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے ایک ترجمان کو بلاکر اُسکے ذریعہ سے ہم سے پوچھا کہ "کیا تم مین سے کوئی شخص اس آدمی کا عزیز ہے جو نبی ہونیکا دعویدار ہے" مینے کہا کہ ہان مین اُس کا قریبی رشتہ دار ہون" یہ سنکر اُس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور میرے ساتھیون کو بھی مین

میرے پیچھے کھڑا کیا۔ اور ترجمان سے کہا کہ "ان لوگون سے کہدو کہ مین اس شخص (یعنی ابوسفیان) سے اس کی بابت چند باتین پوچھتا ہون۔ اگر کہین یہ غلط جواب دے تو تم ٹوک دینا۔ پس خدا کی قسم انہی لوگون کی شرم سے مین جھوٹ نہ بول سکا۔ اور مجھے یہ خیال دامنگیر ہوا کہ مین سب مین جھوٹا مشہور ہو جاؤنگا۔ اس لئے مینے مجبوراً سچ کہا۔ سب سے پہلے ہرقل نے مجھسے آپکے نسب کی بابت پوچھا۔

مین "وہ ہم مین بڑا شریف اور صاحب نسب ہے"

ہرقل "کیا تم مین سے کسی نے کبھی اس سے پہلے بھی ایسا دعوے کیا ہے"

مین "نہین"

ہرقل "کیا اس کے آبا مین سے کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے"

مین "نہین"

ہرقل "اسکے پیرو کس قسم کے لوگ ہین۔ معزز اور شریف یا کمزور اور غریب"

مین "کمزور اور غریب"

ہرقل "ان مین روز بروز کمی ہوتی ہے یا ترقی"

مین "ان مین تو روز بروز زیادتی ہوتی جاتی ہے"

ہرقل "کبھی ان مین سے کوئی اس مذہب مین داخل ہونے کے بعد پھر اس سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہوا ہے"

مین "نہین"

ہرقل "اس شخص کے دعوے نبوت سے پہلے کبھی تمنے اسپر جھوٹا ہونے کا الزام بھی لگایا تھا"

مین "نہین"

ہرقل "کبھی اس نے عہد شکنی کی ہے"

مین "نہین۔ مگر آج کل ہم سے اس سے عارضی طور پر صلح ہے اب نہین معلوم وہ اس مانے

مین کیا کرسکے " مجھے اس ایک بات کے سوا آپ کے برخلاف اور کچھ کہنے کا موقع ہی نہین ملا
پھر ہرقل نے مجھسے پوچھا " تمہاری آپس مین لڑائی بھی ہوئی ہے "

مین " ہان کئی بار "

ہرقل " پھر لڑائیون کا نتیجہ کیا نکلا "

مین " ہم مین باہم کشاکشی ہے کبھی ہم اُسپر کامیاب ہوگئے۔ کبھی وہ ہمپر غالب آگیا "

ہرقل " وہ تم سے چاہتا کیا ہے۔ اور حکم کن باتون کا دیتا ہے "

مین " وہ کہتا ہے کہ خدائے واحد کی پرستش کرو اور اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہ مانو اور
اپنے بزرگون کے قول کو چھوڑ دو۔ اسکے علاوہ وہ ہم سے نماز پڑھنے سچ بولنے۔ پاکباز
رہنے اور حقوق کا لحاظ رکھنے کو کہتا ہے "

اسپر ہرقل نے ترجمان سے کہا کہ " اس سے کہدو کہ ہم نے اس شخص کے نسب کی بابت
پوچھا تو تو نے کہا کہ وہ شریف النسب ہے تو پہلے بھی جو پیغمبر گزرے ہین وہ اپنی قوم مین شریف النسب
ہی گزرے ہین۔ پھر ہمنے پوچھا کہ کیا تم مین سے پہلے بھی ایسا دعوے کیا ہے تو تو نے کہا کہ نہین
اگر تو کہتا کہ ہان کیا ہے تو ہم سمجھتے کہ وہ اسی اپنے بزرگ کی نقل کرتا ہے۔ پھر ہمنے پوچھا کہ اس کے
آباہین سے کوئی بادشاہ گزرا ہے تو تو نے کہا کہ نہین۔ اگر تو کہتا کہ ہان گزرا ہے تو ہم خیال کرتے
کہ وہ پھر اپنی آبائی بادشاہت چاہتا ہے۔ پھر ہمنے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی اسپر اس دعوے
سے پہلے بھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہے تو تو نے کہا کہ نہین۔ اس سے ہم قیاس کرتے ہین کہ جو شخص
لوگون سے جھوٹ نہین بولتا وہ اللہ کی طرف سے بھی غلط بیانی نہین کریگا۔ پھر ہمنے پوچھا کہ
اسکے پیرو کس قسم کے لوگ ہین تو تو نے کہا کہ کمزور اور غریب آدمی۔ تاریخ شاہد ہے کہ پیغمبرون
کی پیروی ایسے ہی لوگ کرتے آئے ہین۔ پھر ہمنے پوچھا کہ ان مین کمی ہوتی ہے یا بیشی۔ تو تو نے
کہا کہ بیشی۔ فی الواقع ایمان کا یہی حال ہے۔ یہانتک کہ آخر وہ کامل ہو جاتا ہے۔ پھر ہمنے
پوچھا کہ ان مین سے کوئی دین سے متنفر ہوکر مرتد بھی ہوا ہے تو تو نے کہا کہ نہین۔ بلاشبہ ایمان

جب دلون مین داخل ہو جائے تو پھر اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ پھر ہمنے پوچھا کہ کبھی اس نے عہد شکنی بھی کی ہے۔ تو تونے کہا کہ نہین۔ فی الحقیقت پیغمبر کبھی عہد شکنی نہین کرتے۔ پھر ہمنے پوچھا کہ وہ کہتا کیا ہے۔ تو تونے کہا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کے لئے کہتا ہے اور بتون کے پوجنے سے روکتا ہے اور صلوۃ اور صدق اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ تو اگر تو سچ کہتا ہے تو ضرور وہ ایک دن اس جگہ کا بادشاہ ہوگا جہان ہم کھڑے ہین۔ اور ہم جانتے تھے کہ ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے مگر ہمارا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم مین سے ہوگا (بخاری ص۴)

عربی مین ایک مثل ہے کہ"

اَحْسَنُ الثَّنَاءِ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الْاَعْدَاءُ	بہترین تعریف وہ ہے جسے دشمن بھی مان لین۔

سب جانتے ہین کہ زمانہ جاہلیت مین حضور سرور کائنات صلعم کی مخالفت مین ابوجہل ابولہب اور ابوسفیان کا ایک ہی درجہ تھا اور خواہ کوئی شخص ہر قل کے قیاسات کو مانے یا نہ مانے لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعثت سے پہلے بھی جناب رسالتمآب کے عادات وخصائل ایسے ہی تھے جو آپ کی ذات والاصفات اور منصب نبوت کے شایان تھے۔

سادہ زندگی

جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی زندگی بھی دنیوی اعتبار سے اول سے آخر تک نشیب و فراز کا ایک عجیب مرقع ہے آپ ولادت سے پہلے تو یتیم ہو گئے ہوش سنبھالنے نہ پائے تھے کہ موت نے مان کی آغوش محبت سے جدا کر دیا۔ اسکے چند ہی دن بعد دادا کا سایۂ شفقت بھی سر سے اُٹھ گیا غرض بچپن یون یتیمی اور بیکسی مین گزرا۔ جوان ہوئے تب بھی ایک مدت تک عسرت و ناداری رفیق رہی۔ پھر یکایک قدرت نے دولت ظاہری کو بھی قدمون پر ڈالدیا اور آخر چالیس برس کے سن مین خالق کون و مکان اور صناع زمین و آسمان کی طرف سے آپکو وہ خلعت نبوت عطا ہوا جسکے سامنے کائنات کی بڑی سے بڑی نعمت

بھی کچھ وقعت نہین رکھتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر چہار طرف سے دشمنون اور پریشانیون کا بھی سامنا ہوا۔ یہان تک کہ آخر دس برس کی بیشمار تکلیفون اور مصیبتون کے بعد عزیزون کی مخالفت نے وطن کی مفارقت پر مجبور کیا۔ اب پھر آہستہ آہستہ زمانے نے رنگ بدلا اور ایک عمر ناکامی کے بعد خدا نے اس منشاء عالیہ کی تکمیل کا سامان مہیا کیا جس کیلیے آپ مبعوث ہوئے تھے یہانتک کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صداؤن نے حدود عرب سے نکلکر قیصر اور کسریٰ کے ایوانون مین غلغلہ ڈالدیا۔ مگر ان سارے تغیرات اور انقلابات مین ایک بات جو سب سے زیادہ نمایان ہے وہ یہ ہے کہ آنجناب کے طرز معاشرت کی سادگی اور بے تکلفی مین کسی حال مین کچھ فرق نہین آیا اور آپنے ہمیشہ ایک ہی طور پر زندگی بسر فرمائی۔ جب کچھ نہین تھا تب بھی دل غنی تھا۔ جب خدا کی عنایت سے سب کچھ ہو گیا تب بھی غرور یا نخوت یا تصنع یا نمائش مطلق چھو نہین گئی اور ایسا ہو بھی کیونکر سکتا تھا۔ اس شہنشاہ ہر دوسرا کی نظرون مین ان حطام دنیوی کی وقعت ہی کیا تھی کہ اس سے طبیعت پر کچھ اثر پڑتا۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (کہف ع)	مال اور اولاد حیات دنیا کی زینت ہین اور باقی رہنے والے نیک کام تیرے رب کے نزدیک بلحاظ ثواب بھی بہتر ہین اور بلحاظ امید بھی۔

آپ جس طرح بچپن مین بکریان چرایا کرتے تھے ایسے ہی نبوت اور سلطنت ملجانے کے بعد بھی بکریون کا دودھ دوہا کرتے تھے اور دودھ دوہنے پر ہی کیا موقوف ہے آپنے کبھی اپنے ذاتی کامون کے لئے اپنے خدام تک کو تکلیف نہین دی اور ہمیشہ اپنا سب کام آپ اپنے ہاتھون سے کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے آپ کو دنیوی کام کاج مین اورون سے ممتاز نہین کیا بلکہ جیسے تم سب لوگ اپنے گھرون مین اپنا کام کرتے ہو۔ ایسے ہی آپ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی اپنی بکریون کا دودھ دوہتے تھے۔ خود ہی اپنے کپڑے سیتے تھے۔ خود ہی جوتیان گانٹھ لیتے تھے۔ غرض اپنے سب کام

خود کر لیتے تھے (بخاری و ترمذی)

کئی بار ایسا اتفاق ہوا کہ کسی نے بے احتیاطی اور لاپروائی سے مسجد مین تھوک دیا یا ناک صاف کی تو گو آپ کو یہ بات بہت ناگوار گزری مگر آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے خود صاف کر دیا۔ اور فرمایا کہ "جب تم مین سے کوئی نماز پڑھنے کو کھڑا ہوتا ہے تو وہ گویا اپنے معبود سے سرگوشی کرتا ہے اور اس کا پروردگار اسکے اور قبلے کے بیچ مین ہوتا ہے۔ اسلئے تمکو کبھی مسجد مین اپنے سامنے نہ تھوکنا چاہیئے" (بخاری ص۵۵)

مدینہ منورہ مین جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ بنفس نفیس سب کامون مین شریک تھے۔ یہانتک کہ معمولی مزدورون کی طرح آپ بھی اینٹین اٹھا اٹھا کر لاتے تھے (بخاری ص۵۵۵)

اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر آپ نے بھی کھائی کھودنے مین سب لوگون کا ساتھ دیا اور خود اپنے ہاتھون سے مٹی اٹھانے اور پتھر توڑنے مین تامل نہین فرمایا یہانتک کہ صدر مبارک گرد آلود ہو گیا۔ (بخاری ص۳۹۰)

غرض آپکو کسی کام کرنے مین بھی عار نہین ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ صرف اپنا ہی کام نہین بلکہ اورون کا کام بھی خود کر دیا کرتے تھے۔ اور اس مین آپ مین اور آپ کے ادنے ترین خادم مین کچھ فرق نہوتا تھا۔

کمانے مین آنجناب کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (بخاری و ترمذی ص۵۵۵) اور چونکہ اس سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کے یہان چھلنی نہین تھی اس لئے اس کی بھوسی پھوک مار کر ہٹا دی جاتی تھی اس سے زیادہ نازک مزاجی اور ذائقہ طلبی کی اس مطبخ مین اجازت نہ تھی۔ (ترمذی ص۵۵۵)۔ مگر طرہ تو یہ ہے کہ بسا اوقات یہ بھی نہین ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت ہے

اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مین کبھی آپ کو اور آپکے اہل وعیال کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی متواتر دو دن تک نہین ملی (ترمذی ص۵۷۷)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ "ہم اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرون مین بعض دفعہ ایک ایک مہینہ تک آگ نہین جلی۔ اور ہم صرف کھجورون اور پانی پر گزارا کرتے رہے (شفا ص۶۳)

ابوطلحہ کہتے ہین کہ "ایک دفعہ ہمنے بارگاہ رسالت مین حاضر ہوکر بھوک کی شکایت کی اور دامن اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ جناب رسالتمآب نے ہماری تسکین کے لئے اپنا دامن اٹھایا تو ہمنے دیکھا کہ شکم مبارک سے دو پتھر بندھے ہوئے تھے (مشکوۃ ص۴۸۱)

اور ایک روایت مین ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دودھ شریک بھائی مسروق انکے پاس آئے حضرت عائشہؓ نے کھانا منگوایا اور فرمانے لگین کہ "جب مین سیر ہوکر کھانا کھاتی ہون تو مجھے رونا آتا ہے" انھون نے پوچھا کہ کیون۔ آپ نے جواب دیا کہ "مجھے آپکا زمانہ یاد آجاتا ہے کہ جب تک آپ بحیات رہے خدا گواہ ہے کہ کبھی ایک دن مین دو بار سیر ہوکر روٹی نہین کھائی۔" (ترمذی ص۵۷۰)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "جناب رسالتمآبؐ نے عمر بھر خوان پر کھانا نہین کھایا۔ اور نہ کبھی چھنے ہوئے باریک آٹے کی روٹی تناول فرمائی" (ترمذی ص۵۷۵)

ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ "آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہین کہا۔ جو کچھ موجود ہوتا تھا وہی تناول فرمالیتے تھے۔ اور اگر بھوک نہین ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے" (بخاری ص۸۱۴)

ملبوسات کو دیکھئے کہ آنجناب کا لباس قمیص۔ چادر۔ تہبند۔ یا ازار اور عمامہ تھا یہ سب چیزین بالعموم سوتی اور معمولی قسم کے کپڑے کی ہوتی تھین۔ ریشم کا استعمال تو آپنے اپنی امت مین مردون کے لئے ناجائز ہی فرما دیا تھا۔ اور خود آپ کے لباس مین تو قطعاً کسی قسم کی بھڑک اور نمائش ہوتی ہی نہ تھی۔ موزے آپکو ایک مرتبہ نجاشی (شاہ حبش) نے

اور ایک بار ایک اور شخص وحیہ نے تحفۃً بھیجے تھے۔ پاپوش مبارک چمڑے کی تھین جنمین دو تسمے کے بند لگے ہوئے تھے۔ ان سے وہ انگلیون مین باندھ لیجاتی تھین۔

آپکے آرام فرمانے کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ "آنجناب کا بستر آپ کے گھر مین کس چیز کا تھا" انہون نے فرمایا کہ "ادھوڑی کا جسمین کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی" (بخاری و ترمذی ص۵۹۳)

یہی سوال حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بھی کیا گیا تو انھون نے فرمایا کہ "ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے ہم دہرا کر دیا کرتے تھے۔ آنجناب اسی پر استراحت فرماتے تھے۔ ایک رات مینے خیال کیا کہ اگر اس کی چار تہین کر دین تو غالباً آپکو زیادہ آرام ملے۔ چنانچہ ہمنے ایسا ہی کیا جب صبح ہوئی تو آنجناب نے پوچھا کہ "رات تمنے میرے لئے کیا بچھایا تھا" مینے کہا "وہی آپکا ٹاٹ تھا۔ مگر ہان ہمنے اُس کی چار تہین کر دی تھین تاکہ آپ کو زیادہ آرام ملے" آپنے فرمایا "نہین اسے تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی کر دو۔ اسنے مجھے رات ہی کو نماز شب سے باز رکھا" (ترمذی ص۵۹۴)

سواریون مین آنجناب کو گدھے پر سوار ہونے سے عار نہ تھا۔ چنانچہ آپ فتح خیبر کے دن گدھے پر سوار تھے جسکی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔ انس سے روایت ہے کہ "آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے اونٹ کا پالان پُرانا تھا۔ جسکی قیمت ہمارے خیال مین چار درہم (ایک روپئے) سے زیادہ نہ ہوگی" (شفا ص۵۵)

یہ تو آپ کی طرز زندگی کا مختصر سا خاکہ تھا۔ یہ بھی دیکھ لیجئے کہ آپنے عزیزون کو کس طرح رہنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرۃ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سنا کہ آنجناب کے پاس کوئی غلام ہے۔ تو چونکہ حضرۃ فاطمہؓ کے ہاتھون مین چکی پیتے پیتے چھالے پڑ گئے تھے اور ان مین تکلیف تھی اسلئے وہ آنجنابؐ کی خدمت مین حاضر ہوئین تاکہ اس غلام کو اپنے لئے مانگ لین۔ اتفاق سے آپ تشریف

نہ رکھتے تھے۔ انہون نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ذکر کیا اور خود واپس آگئین جب آنجناب تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے کہا۔ آپ اسیوقت حضرۃ فاطمہؓ کے ہان آئے اور اپنے آس پاس انکو اور حضرت علیؓ کو بٹھاکر فرمایاکہ مین تمکو ایک ایسی بات نہ بتاؤن جو اس چیز سے (یعنے خادم سے) بہتر ہو جو تم مجھسے مانگتے ہو۔ سنو۔ تم سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہاکرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے" (بخاری ص۵۲۵)

یون کی ہے اہلبیت مطہر نے زندگی ٭ یہ ماجرائے دختر خیر الانام ہے

غرض آنجناب نے زندگی تو اس طرح بسر کی۔ اور وفات سے پہلے فرمایاکہ "میرے ورثا کو میرے ترکے مین روپیہ پیسہ کچھ نہ ملے گا" (ترمذی ص۶۰)

حقیقت مین آپکے پاس ان مزخرفات دنیوی مین سے کچھ تھا ہی نہین جو کسی کو دیا جاتا۔ حالت تو یہ تھی کہ آپکی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس تیس درھم کے عوض گرو رکھی ہوئی تھی۔ اور آنجناب کے پاس اتنا زر نقد نہ تھاکہ اُسے چھڑا لیتے (بخاری ص۶۴۱)

آپنے ترکہ مین صرف اپنے ہتیار ایک خچر اور تھوڑی سی مملوکہ زمین کے سوا اور کوئی چیز نہین چھوڑی۔ اوران اشیار کی بابت بھی ارشاد فرمادیاکہ یہ خیرات کردیجائین (بخاری ص۶۴۱)

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ زندگی تھی کہ اس پر لاکھون جانین قربان کیجاسکتی ہین۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ع۱) | اور سلام ہو اُس پر جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جسدن کہ مرے اور جسدن کہ وہ پھر زندہ اٹھائے جائینگے

یہ تھی طرز معاشرت اس شخص کی جسکی نسبت نعوذ باللہ من ذالک مخالفین یہ کہتے ہین کہ اس نے اپنے ذاتی مقاصد اور نفسانی اغراض کے حصول کے لئے اور ملک گیری اور جاہ طلبی کی ہوس مین اپنی قوم پر تلوار اٹھائی۔ اور مذہب کی آڑ مین کشت وخون کی اجازت دی۔ خدا کی پناہ کسقدر کور باطنی اور دیدہ دہنی سے اس بہترین خلائق صلی اللہ علیہ وسلم

پر یہ اتہام لگایا جاتا ہے۔ کیا ایسی ہی سادہ۔ پرمحن اور جفاکشی کی زندگی بسر کرنے کے لئے آپ نے یہ تمام کوششین کی تھین جن کی انتہائی کامیابی سے بھی آپکی طرز بود و باش مین ذرہ بھر فرق نہین آیا۔ کیا دنیا کی گذشتہ اور موجودہ قومون کی تاریخین کسی ایک فرد کو بھی مثالاً پیش کرسکتی ہین جسنے دنیوی اغراض سے خروج کرکے اپنے لئے ایک مستقل سلطنت قائم کرلی ہو۔ اور اس کے بعد اس کی وضع زندگی مین اس کی عسرت بھی سادگی اور جفاکشی باقی رہی ہو۔ قطعاً و یقیناً اس کی کوئی نظیر صفحۂ عالم پر نہین ہے بیشک لوگون نے بہت سادہ اور پرمشقت زندگیان بسر کی ہین۔ مگران کے ہاتھ سلطنتین نہین لگین۔ بلاشبہ آدمیون نے سلطنتین حاصل کرلی ہین۔ مگران مین یہ زہد و اتقا نہین رہا۔ شاید کوئی شخص یہان بدھ کی مثال پیش کرے کہ گو اس نے ایسا نہین کیا مگر کم سے کم اپنی سلطنت سے تو دست بردار ہو ہی گیا۔ تو مین کہونگا کہ ایسی مثالین تو بارگاہ نبوت کے غلامون کے غلامون مین بھی بکثرت مل سکتی ہین۔ حضرت ابراہیم ادہم۔ شاہ بلخ اور شاہ شجاع والئی کرمان رحمۃ اللہ علیہم اسی آستانے کے گداؤن کی خاک پا ہین۔ اور خدا جانے ان جیسے اور کتنے خدا کے بندے اس امت مرحومہ مین گذر چکے ہونگے۔ حقیقت مین یہ خصوصیت تھی جو فیاض ازل نے اپنے رسول برحق جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی ذات بابرکات کے لئے مخصوص اور منتخب فرمائی تھی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط

حسن معاشرت اور خوش خلقی

جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی سادہ اور بے تکلف زندگی کے حالات تو آپ نے سن لئے۔ مگر ہمین یہ بھی سمجھ لینے کہ آپکی یہ فقیرانہ طرز بود و باش نہ تو بے نوائی اور تنگدستی کی وجہ سے تھی کیونکہ رقوم خمس کے علاوہ باغ فدک اور خیبر وغیرہ کی آمدنی بھی آپ کے تمام مصارف کے لئے اچھی طرح کافی ہوسکتی تھی۔ اور نہ رہبانیت۔ گوشہ نشینی اور دنیا سے بے تعلقی کے باعث سے تھی۔ کیونکہ آنجناب نے ایسے ترک دنیا کو جائز ہی نہین رکھا تھا۔ جس کے سبب سے آدمی اپنے فرائض کو بجالانے سے معذور ہو جائے۔ اور اپنے کرنے کے کام دوسرون کے سر ڈالدے۔ اور اس بارے مین خود آنجناب کا طرز عمل نہایت کامل دنیا دارون کا سا تھا۔ نہین بلکہ اس کی اصلی وجہ حطام دنیوی کی بے وقعتی۔ راحت جسمانی سے بے نیازی بے انتہا مروت اور ایثار و ہمدردی تھی۔ لیکن ان کے واقعات ہم آئندہ بیان کرینگے۔ سردست یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسقدر زہد اور بے نفسی کے باوجود بھی آپکے تعلقات اپنے متعلقین کے ساتھ کس قسم کے تھے۔

انگریزی مین ایک مثل ہے کہ کوئی شخص اپنے خدمتگار کی نظرون مین ہیرو نہین ہوسکتا۔ کیونکہ بیرونی دنیا مین غیرون کے روبرو خواہ کوئی شخص اپنے آپکو کتنا ہی کیون نہ بنائے رہے۔ تاہم گھر کی خلوت اور تنہائی مین یہ وضع قایم رکھنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اور نوکرون اور گھر والون کے سامنے چھوٹی چھوٹی باتون مین آدمی کی بدمزاجی۔ درشت خوئی زود رنجی اور اور اس قسم کے بیسیون عیب کھل جاتے ہین۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے مگر ہم اسی معیار کو پیش نظر رکھکر جناب رسالتمآب کی طرز معاشرت کو لیتے ہین۔

خادم بارگاہ نبوی انس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ "مین آٹھ برس کا تھا جب خدمت اقدس مین حاضر ہوا اور برابر دس برس تک شرف یاب ملازمت رہا۔ مگر اس تمام

مدت میں حضور نے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا۔ یا وہ کام کیوں نہیں کیا۔ (مشکوٰۃ ص۴۴۱)

آنجناب بے انتہا خوش خلق تھے۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے مجھے کہیں جانے کا حکم دیا مگر میں نے جانے سے انکار کیا۔ گو میرے دل میں یہی تھا کہ چونکہ حضور سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے اسلئے جاؤنگا۔ پھر میں نکلا یہاں تک کہ میرا گزر چند بچوں پر ہوا جو بازار میں کھیل رہے تھے۔ وہاں آپ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑلی۔ میں نے مڑکر دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "کیوں انس جہاں میں نے تمکو بھیجا تھا کیا تم وہاں گئے تھے" میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ہاں میں جا رہا ہوں" (مشکوٰۃ ص۴۴۱)

آپ کے اخلاق کی یہ کیفیت تھی کہ مدینے میں لوگ اکثر صبح ہی پانی لیکر آپکی خدمت میں آتے تاکہ آپ نماز صبح سے فارغ ہوکر اس میں برکت کے لئے ہاتھ ڈالدیں تو خواہ کیسی ہی سخت سردی کیوں نہ ہوتی مگر آپ ہرگز ان برتنوں میں ہاتھ ڈالنے سے دریغ نہ فرماتے تھے۔ اگر کسی لونڈی کو بھی کچھ ضرورت ہوتی تو آپ کا ہاتھ پکڑکر جہاں چاہتی لیجاتی اور آپ کبھی اسکے ساتھ جانے میں تامل نہ فرماتے۔ (مشکوٰۃ ص۴۴۲)

انسؓ ہی کا بیان ہے کہ حضور سرور کائنات کی زبان مبارک سے نہ کبھی کوئی فحش اور بیہودہ کلمہ نکلتا تھا۔ نہ آپ کسی پر لعنت کرتے تھے۔ نہ کسی کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اگر کسی پر بہت ہی خفا ہوتے تو فقط اتنا فرماتے۔

مَالَهٗ تَرِبَ جَبِيْنُهٗ (بخاری ص۸۹۳) اسے کیا ہو گیا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا بھی کہ "مشرکین کیلئے دعائے بد کیجئے" تو آپ نے فرمایا کہ "میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ نے مجھے رحمت بناکر بھیجا ہے۔ (مشکوٰۃ ص۴۴۲)

آنجناب نے خانگی تعلقات کو آدمی کی نیکی اور خوشخوئی کا معیار قرار دیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا ہے کہ "

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ (مشکوٰۃ ۲۳۵) تم مین سے اچھے وہی ہین جو اپنے گھروالون کیساتھ اچھے ہون

اور آپ خود طبعاً اور فطرۃً اس اصول کی بہترین مثال تھے۔ آپ اپنے اہلبیت پر نہایت مہربان اور بے انتہا شفیق تھے۔ عین عنفوان شباب مین آپکی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہوئی۔ اور اس وقت حضرت خدیجہؓ سن کہولت کو پہنچ چکی تھین اور عمر مین آنجناب سے پندرہ سال بڑی تھین لیکن ان باتون کے باوجود بھی آپکا پچیس برس کا ساتھ حسن معاشرت کا ایک بے مثل نمونہ ہے۔ اس تمام مدت مین کوئی خفیف سے خفیف بات بھی ایسی پیش نہین آئی جو ذرا دیر کے لئے بھی کسی قسم کی شکر رنجی کا باعث ہوتی حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد جب جناب رسالتمآب نے مختلف ضرورتون اور مصلحتون سے متعدد شادیان کین تب بھی یہ حال تھا کہ جب کبھی آپکے ہان قربانی کیجاتی تو آپ سب سے پہلے خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہ مرحومہ کی ملنے جلنے والی عورتون کے ہان حصہ بھجواتے اور آنجناب انکا ذکر ایسی دلی محبت سے فرماتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تک کو رشک ہوتا۔ حالانکہ وہ ازواج مطہرات مین سب سے زیادہ محبوب اور منظور نظر تھین لیکن آنجناب کی یہ محبت وشفقت کچھ حضرت خدیجہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھی وہ تو طبیعت ہی ایسی تھی کہ اس مین ہر قسم کی خوبیان فطرۃً علی وجہ کمال موجود تھین۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد جب ازواج مطہرات کی تعداد نو تک پہنچ گئی تب بھی حضور کا طرز عمل ایسا منصفانہ اور مشفقانہ رہا کہ کبھی کسی کو شکایت پیدا نہین ہوئی۔ حالانکہ دنیوی عیش وآرام کی جو کچھ کیفیت تھی وہ تو ہم اوپر دیکھ ہی چکے اور ایسی تنگدستی کی حالت مین باہمی رقابت کی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر روز لڑائی جھگڑے ہونے چاہئین تھے۔ مگر وہان تو اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہو چکا تھا کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ — اے نبی تو اپنی بیبیون سے کہدے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ مین تم کو مال دنیا دیدون

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (احزاب ع ۳)

اور تمکو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو ترجیح دیتی ہو تو بیشک اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم مہیا کیا ہے۔

بھلا پھر کسکو یہ گوارا ہو سکتا تھا کہ دنیوی مال کی لالچ سے آنجناب کی صحبت روح پرور کو چھوڑنے کا خیال بھی کرتی۔ اس کے علاوہ یوں بھی آپ کے فیض صحبت نے ان کی طبیعتوں میں اتنی صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ اگر باہمی رقابت تھی بھی تو آنجناب کی راحت رسانی اور رضا جوئی کے مسورہ اور کسی قسم کی دنیوی آرام و آسائش کا خیال تک بھی نہیں گزرتا تھا۔ مگر آنجناب بھی ان کا پاس خاطر اسقدر رکھتے تھے کہ ہرگز کسی بات میں ان میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہونے دیتے تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ "جناب رسالتمآب کی طبیعت میں کسی قسم کی بیہودگی اور لغویت نہیں تھی۔ نہ آپ کبھی چلاتے تھے نہ کبھی بدی کے عوض بدی کرتے تھے بلکہ ہمیشہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "آپ نہایت فراخ حوصلہ۔ نہایت صادق البیان۔ نہایت نرم مزاج۔ اور نہایت خوش خلق تھے" آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کے گھر والوں یا اصحاب احباب میں سے کوئی آپکو پکارتا تھا تو آپ ہمیشہ بلالحاظ خوردی و بزرگی جواب میں کہا کرتے تھے لَبَّیْكَ۔ یعنی حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔

آپ کو بچوں سے بھی بڑی محبت تھی۔ چنانچہ بسا اوقات آپ اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گود میں لیکر یا کاندھے پر بٹھاکر نماز پڑھتے تھے جب رکوع میں جاتے تو ایک طرف بٹھا دیتے اور جب قیام فرماتے تو پھر اُسے اُٹھا لیتے (بخاری شریف) نماز میں اتنی محبت کا اظہار آپکی طبیعت کی بے انتہا شفقت اور رافت کی دلیل ہے

کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بچی کے رونے اور مچلنے کے خیال سے نماز تک مین اس کا بہلانا جائز رکھتے تھے۔ شاید اسمین یہ مصلحت مدنظر ہو کہ اس زمانہ مین چونکہ لڑکیان بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھین اور شرفاء عرب انکو باعث عار سمجھتے تھے۔ تو آنجناب کی اس الفت و خفقت کو دیکھکر وہ خیال باطل مٹ جائے اور بلا وجہ لڑکیون کی جن تلفی نہ ہو۔ حضرت حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بھی آپکو بیحد محبت تھی اور انپر ہی کیا موقوف ہے آپ سب ہی بچون پر شفیق اور مہربان تھے۔ چنانچہ بچے آپ کے پاس آتے تو آپ اپنی گود مین بٹھاتے تھے۔ وہ آپ کے کپڑون پر پیشاب بھی کر دیتے تھے مگر آپ کچھ خیال نہین کرتے تھے۔ آپ چھوارے چبا چبا کر انکو کھلایا کرتے تھے اور انکو بہلایا کرتے تھے اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت کیا کرتے تھے (بخاری ص۸۸۸ و ص۹۴۰ و ص۹۴۲ وغیرہ)

انسؓ کا بیان ہے کہ آپ انکے چھوٹے بھائی ابو عمیر کے ساتھ اکثر کھیلا کرتے تھے ابو عمیر نے ایک بلبل پال رکھی تھی اور اُس سے اُسے بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ اس سے فرمایا کرتے تھے "یَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ" (اے عمیر نغیر کیسی ہے یا اس کا کیا حال ہے۔ (بخاری ص۹۰۵)

ام خالد بنت خالد کہتی ہین کہ "مین ایک دن اپنے والد کے ساتھ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ مین اسوقت ایک زرد قمیص پہنے ہوئے تھی آپ نے دیکھکر فرمایا کہ "یہ بہت اچھی ہے بہت اچھی ہے" پھر مین آپکی پشت پر جاکر مہر نبوت سے (جو دونون شانہائے مبارک کے بیچ مین ایک مضغۂ گوشت کی طرح تھی) کھیلنے لگی۔ اسپر میرے والد نے مجھے گھڑکا مگر آپ نے انکو منع کر دیا اور فرمایا کہ رہنے دو اسے کھیلنے دو۔ (بخاری ص۸۸۶)

اسی بارے مین ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ جب آنجناب مکہ معظمہ تشریف لائے تو بنی عبد المطلب کے بچے آپکے استقبال کے لئے بھاگتے ہوئے آئے۔ آپنے

نہایت شفقت سے اُن میں سے ایک کو اپنے آگے اور ایک کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔
(بخاری ص ۲۹۲)

آپکی بچوں پر مہربان اور شفیق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا
کہ "میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ اور میرا خیال ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھوں مگر اثنائے نماز
میں کسی بچے کی رونے کی آواز آئی ہے تو میں نماز کو چھوٹا کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات ناگوار معلوم
ہوتی ہے کہ اس کی ماں پر سختی کیجائے" (بخاری ص ۹۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکے نزدیک بچوں کی پرورش انکی خدمت اور انپر
شفقت خدا کی عبادت کی زیادتی سے بھی زیادہ ضروری اور قابل توجہ کام ہے۔

جریر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ "میں جب سے مسلمان ہوا آنجناب نے کبھی مجھے
گھر میں آنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور جب آپ مجھے دیکھتے تھے مسکرانے لگتے تھے۔ آپ اپنے
اصحاب سے مزاح بھی فرماتے تھے۔ اور ان کی سب باتوں میں شریک ہوتے اور ان سے
بات چیت کیا کرتے تھے۔ آپ بچوں سے کھیلا کرتے اور اُنکو اپنی گود میں بٹھایا کرتے تھے۔ آپ
آزاد اور غلام اور لونڈی اور فقیر سب کی دعوت کو یکساں طیب خاطر سے قبول فرمالیتے
تھے اور شہر کے دور و دراز کے حصوں میں بھی مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے
تشریف لے جاتے تھے اور جب کوئی شخص کچھ عذر پیش کرتا تو قبول فرمالیتے اور اُسے معذور
سمجھتے تھے" (شفاء ص ۵۳ و ۵۴)

آپ کے یہ الطاف کچھ مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں تھے۔ بلکہ آپ سب ہی پر
شفیق تھے۔ چنانچہ انس رض کہتے ہیں کہ "ایک یہودی لڑکا آپکی خدمتگزاری کرتا تھا۔ اتفاق
سے وہ بیمار پڑگیا۔ آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے
بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے اس سے اسلام قبول کرنے کے لئے فرمایا۔ اس نے اپنے باپ کیطرف
دیکھا۔ جو وہیں اُسکے پاس تھا۔ اس نے کہا کہ "تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہنا مان لے"

بس وہ مسلمان ہو گیا۔ اس سے آپ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے کہ "خدا کا شکر ہے کہ وہ آگ سے بچ گیا" (بخاری ص۱۸۱)

ظاہر ہے کہ اس لڑکے کے حالت نزع میں اسلام لانے سے آپ کا کسی قسم کا کوئی ذاتی اور ظاہری فائدہ نہ تھا۔ اور آپکی یہ عام کوشش اور پھر اسپر مسرت محض آپکی عام شفقت اور دلسوزی کی وجہ سے تھی۔

انس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے کوئی بات چھیڑنے سے کہنے کے لئے اپنا منہ گوش مبارک سے لگایا ہو۔ اور آپنے اس آدمی کے سر اُٹھانے سے پہلے اپنا سر اقدس ہٹا لیا ہو۔ اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپ سے مصافحہ کیا ہو۔ اور آپ نے اسکے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ آپ کبھی اور آدمیوں کے سامنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے۔ جس کسی سے ملنے تھے پہلے خود سلام کرتے تھے۔ اور خود مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ جب کوئی شخص آپ کے پاس آتا تھا تو آپ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اور اکثر اسکے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے تھے۔ اور اُسے اپنے گدے پر بٹھاتے تھے۔ اور اگر وہ اسپر بیٹھنے سے انکار کرتا تو آپ اصرار فرماتے اور اسے اسی پر بیٹھنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ آپ تعظیماً و احتراماً اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ انکو کسی کنیت سے خطاب فرماتے اور انکو نہایت محبت آمیز اور پسندیدہ ناموں سے یاد کرتے تھے آپ کبھی کسی کا قطع کلام نہیں کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص نازیبا بات کہتا تو آپ یا تو اُسے منع فرما دیتے یا اٹھکر کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ خود ہی رک جائے" (شفا ص۵۴)

آپکی انتہائے خوش خلقی اور کمال ادب کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے ہوتے تھے اور کوئی شخص ملنے کے لئے آتا تھا تو آپ نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔ اور سلام پھیر کر اس کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ اور جب وہ چلا جاتا تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے (شفا ص۵۴)

یہ صورت نوافل میں ہوتی تھی کیونکہ فرض نماز تو مسجد میں ادا کیجاتی تھی۔ اور ان میں کسی قسم کی تخفیف اور اختصار جائز اور اختیاری نہیں ہے۔

عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "مین نے کسی شخص کو جناب رسالتمآب سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہین دیکھا" (شفا صفحہ ۵۵)

غرض آپکی ہر ایک بات ہر ایک کام اور ہر ایک تعلق اس وعدہ صادقہ کی مجسم تصدیق اور ثبوت تھا کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ | اور ہمنے تجھے تمام دنیا والون کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور اس مین اعدا و مخالفین تک بھی مستثنےٰ نہین ہین۔ لیکن انکے ساتھ آپکے لطف و مراعات کا تذکرہ آپکے حلم۔ عفو۔ اور شجاعت وغیرہ کے ضمن مین آئیگا۔

شجاعت

جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی ذات بابرکات مین تمام صفات ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی ایسے تناسب اور موزونیت کے ساتھ جمع تھے کہ حقیقت مین یہ بہت ہی مشکل ہے کہ کسی ایک صفت کو اورون پر مقدم رکھا جائے۔ لیکن بہرحال چونکہ سب کا ذکر یکبارگی نہین ہو سکتا اسلئے ہم ایک خارجی وجہہ سے شجاعت کو پہلے لیتے ہین۔ وہ وجہہ یہ ہے کہ بالعموم اور مذہبون نے اپنے مقتداؤن کے لئے شجاعت کا دعوے نہین کیا اور پھر اسی نقص کی وجہہ سے اس صفت کو مصلحان قوم اور ہادیان ملت کے لئے غیر ضروری سمجھنے لگے۔ لیکن یہ خیال خود ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ عرف عام مین شجاعت صرف تہور اور بیباکی کا نام ہے اور اس کی نمائش فقط میدان جنگ مین ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقت مین سچی شجاعت وہ ہے جو مجاہدۂ نفس اور مجادلۂ ہوا و ہوس مین ظاہر کیجائے۔ جو عفو اور حلم کی شان مین نمایان ہو۔ جو ثبات و

استقلال کی صورت مین آشکار ہو۔ چنانچہ جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ مَنْ يَّمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ ۔	وہ پہلوان نہین ہے جو لوگون کو پچھاڑ دے بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو۔

(صحیحین از مشکوٰۃ ص۴۲۹)

اس لحاظ سے یقیناً شجاعت کو تمام دیگر صفات حسنہ پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اگر اس وسعت نظر سے کام نہ لیا جائے۔ اور شجاعت کو اسکے عرفی معنون ہی مین لین تب بھی بلاشبہ وہ اتنی پاکیزہ اور پسندیدہ خوبی ہے کہ جو طبیعت اس صفت سے متصف نہو وہ کسی طرح اخلاق انسانی کا بہترین اور کامل ترین نمونہ ہونے کے قابل نہین کہی جاسکتی۔ اب اس مختصر سی تمہید کے بعد دیکھئے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مین صفت شجاعت کتنی اعلیٰ درجے کی تھی۔ انسؓ کا بیان ہے کہ آپ اشجع الناس یعنی انتہا درجے کے بہادر اور شجاع تھے۔ چنانچہ ایک رات کا ذکر ہے کہ اہل مدینہ کا ایک گھبرا اٹھے (جیسے کوئی دشمن چڑھ آئے یا ڈاکہ پڑے) تو لوگ اس آواز کی جانب چلے مگر اُدھر سے انکو آپ واپس آتے ہوئے ملے۔ کیونکہ آپ سب آدمیون سے پہلے تنہا اُدھر تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے تسلی کے طور پر فرمایا کہ "ڈرو مت۔ گھبراؤ مت" اور آپ اُس وقت ابوطلحہ کے برہنہ پشت گھوڑے پر سوار تھے۔ اور گردن مبارک مین تلوار لٹکی ہوئی تھی" (بخاری ص۴۲۶)

براء ابن عازب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ "ایک آدمی نے مجھسے پوچھا کہ کیا تم سب جنگ حنین مین حضرت رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ مینے کہا کہ ہان۔ لیکن آنجناب اپنی جگہہ پر قائم رہے اور بیشک مینے آپکو دیکھا کہ آپ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث آپ کے چچازاد بھائی آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور حضرت عباس آپکی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آنجناب یہ شعر رجزیہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	مین سچا پیغمبر ہون۔ مین ابن عبدالمطلب ہون۔

اور اس دن آپ سے زیادہ بہادر اور شجاع کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اور خدا کی قسم جب لڑائی بہت تند و تیز ہوئی تھی تو ہم آپ ہی کو پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سب سے زیادہ دلیر بہادر اور شجاع وہی شخص ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا رہ سکتا تھا۔ (بخاری ص۶۱۱)

اسی واقعہ کی بابت حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس دن آپکی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ جب مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑہانے کے لئے ایڑ دی اور میں اسے تیز چلنے سے روکنا چاہتا تھا۔ یہانتک کہ آخر میں نے ارشاد عالی کے مطابق اصحاب سمرہ کو آواز دی اور وہ میری آواز سنتے ہی پلٹے اور ذرا دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا" (شفا ص۱۰۵)

ابی بن خلف کا واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں جب وہ فدیہ دیکر رہا ہوا تو اُسنے آپ سے کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے میں ہر روز ایک پیمانہ (فرق) جوار کھلاتا ہوں میں اُسپر بیٹھکر تجھے قتل کرونگا" آپ نے جواب دیا کہ "نہیں بلکہ انشاءاللہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائیگا" اُسکے بعد جنگ احد میں اس نے آنجناب کو دیکھا تو گھوڑا بڑہاتا ہوا آپ پر حملہ کرنے کے لئے آیا۔ مگر چند مسلمان اسکے راستہ میں حائل ہوگئے۔ اسپر آپنے اُنکو حکم دیا کہ "ہٹ جاؤ اور اسے آنے دو" اور آپ نے حارث بن الصمہ کے ہاتھ میں سے نیزہ لے لیا اور آگے بڑھکر اسے ہوا میں جنبش دیکر ابی کے مارا وہ اپنے گھوڑے پر ڈگمگا گیا اور اس کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ چیختا چلاتا قریش کی طرف بھاگا۔ لوگوں نے اس سے کہا بھی کہ زخم کچھ زیادہ خوفناک نہیں ہے۔ مگر وہ یہی کہتا رہا کہ "جو تکلیف مجھے ہے وہ اگر سب لوگوں پر بانٹ دیجائے تو وہ سبکے سب ہلاک ہوجائیں۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی کہا تھا کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائیگا" واللہ اگر وہ مجھپر تھوک دیتے تب بھی میں نہ بچتا" آخر وہ لوٹتے ہوئے مکے سے چھ میل اُدھر مقام سرف پر مر گیا۔ (شفا ص۱۰۶ و ۵۲)

عمران بن حصین کہتے ہین کہ ہمیشہ غنیم پر حملہ کرتے وقت آپ سب سے آگے ہوتے تھے (شفا ص۵۱)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ "جب لڑائی شدت کی ہوتی تھی اور جوش و محنت سے آنکھین سرخ ہو جاتی تھین تو ہم آنحضرت کی آڑ لیتے تھے۔ اور ہم مین سے کوئی آدمی دشمن سے آپ سے زیادہ قریب نہوتا تھا۔ اور مینے جنگ بدر مین اپنے آپکو دیکھا۔ کہ ہم آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ اور آپ اس دن سب سے زیادہ مستقل مزاج اور قوی القلب تھے" (شفا ص۵۱)

اس ضمن مین سب سے زیادہ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع اقدس مین جس طرح جبن اور بزدلی کا مطلق نشان نہ تھا ویسے ہی فساوت اور جنگجوئی کا بھی قطعاً وجود نہ تھا۔ اور آپکی شجاعت دیگر خصائل حسنہ کی طرح افراط و تفریط سے بالکل پاک اور نہایت ہی معقول اور صحیح قسم کی تھی۔ بلاشبہ آپکو بہت سی لڑائیان لڑنی پڑین مگر وہ سب کی سب صرف محافظت اور مدافعت کے لئے تھین۔ اور آپنے خود کبھی مقدمی نہین کی۔ ہان جب کوئی موقع آپڑا اور مقابلہ پڑ گیا تو پھر ہٹنے کا بھی نام نہین لیا۔ چنانچہ بدر مین آپ نے تین سو تیرہ آدمیون سے ایک ہزار منتخب شجعان مکہ کا مقابلہ کیا۔ اور خدا نے آپکو مظفر و منصور کیا۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک روز آپ دشمن کے انتظار مین ایک جگہ پڑے رہے۔ یہانتک کہ سورج ڈھلگیا۔ پھر آپ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ "اے لوگو دشمن سے ملنے کی تمنا مت کرو اور اللہ سے امن و عافیت چاہو۔ مگر جب مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو اور یقین جانو کہ جنت تلوارون کے سایہ مین ہے" (بخاری ص۴۱۶) (یعنے حمایت حق سے بڑھکر اور کوئی خدمت جنت کا مستحق نہین کرتی)

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ مین سالار لشکر کی حیثیت سے قلب مین ہوتے تھے۔ اور اگرچہ آپکی ہی شجاعت و ہمت تمام فوج کی پشت پناہ ہوتی تھی۔ تاہم خود آپکے ہاتھ بہت کم خون آلود ہوتے تھے۔ چنانچہ باوجودیکہ آپ پندرہ سولہ غزوات مین

بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ لیکن ابی ابن خلف کے سوا صرف ایک اور آدمی آپ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس زمانے میں جبکہ جنرل صرف اپنی طاقت اور جلادت کی وجہ سے منتخب اور ممتاز ہوتا تھا اور اس کا سب سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرنا ہی اسکے لیے باعث اعزاز ہوتا تھا۔ یہ خموش شجاعت لوگوں کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہوگی۔ مگر کیا یہ سچی شجاعت کی بہترین مثال نہیں ہے

ثبات و استقلال

ثبات اور شجاعت حقیقت میں ایک ہی صفت کی دو کسی قدر مختلف صورتیں ہیں۔ اور دونوں میں فرق فقط یہ ہے کہ شجاعت میں قوت مدافعت کا بہاؤ زیادہ نکلتا ہے اور ثبات میں طاقت برداشت کا۔ ایک میں کیفیت فاعلی غالب ہے۔ دوسری میں کیفیت انفعالی۔ لیکن بہر حال وہی شخص شجاع اور ثابت قدم ہوسکتا ہے جو مصائب و آلام میں پریشان نہو۔ جو تکلیفوں اور سختیوں سے نہ گھبرائے۔ جو حادثوں کو سکون اور سکوت سے سہلے۔ اور جو شدت خوف و خطر میں بھی مطمئن اور مستقل رہے۔ اور جب تک کسی میں یہ باتیں نہ ہوں تب تک اس میں نہ شجاعت ہوسکتی ہے۔ نہ ثبات۔ اسلئے دراصل یہ دونوں ایک ہی شے ہیں۔ جو موقع اور ضرورت کے مطابق کبھی ایک صورت سے نمایاں ہوتی ہے۔ کبھی دوسری حیثیت سے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بینظیر شجاعت کی ایک دو مثالیں آپ نے دیکھ لیں۔ اب آپ کے ثبات و استقلال کے چند واقعات سن لیجئے۔ اس کی سب سے بڑی اور نمایاں مثال تو آپکی تبلیغ مذہب اور تعلیم اسلام ہی ہے۔ اور اگر ہجرت کے بعد کے زمانے کو چھوڑ بھی دیں۔ (اگرچہ وہ بھی کچھ کم مشکل اور محنت طلب نہ تھا) تب بھی وہ گیارہ سال جو آنجناب نے آغاز رسالت سے ہجرت تک مکہ معظمہ میں بسر کئے اور جو دشمن مخالفتیں اور جانکاہ مصیبتیں دعوت حق میں وہاں آپکو پیش آئیں وہ ثبات و استقلال کی ایسی مثال ہیں جسکی نظیر دنیا کی تاریخ نہیں دکھا سکتی۔ اور اگر غور کریں

تو وہی آپکی صداقت کی سب سے بڑی تصدیق ہین۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہین کہ جھوٹ اتنا پائدار ہو نہین۔ کوئی بڑی سے بڑی دنیوی غرض اور سخت سے سخت قوت ارادی بھی اتنی مسلسل ناکامیون۔ اور متواتر مایوسیون کے مقابلہ مین قایم نہین رہ سکتی۔ جب تک کہ تائید غیبی اور امداد ربانی اسکے ساتھ نہو۔

جب آپ نے توحید و تنزیہہ باریتعالے کی تبلیغ اور بت پرستی کی مذمت شروع کی تو اہل قریش نے آپ کے چچا ابو طالب سے شکایت کی۔ اور چاہا کہ وہ آپکو کہہ سنکر اس سے روکدین۔ ایک دو بار تو ابو طالب نے ان لوگون کو سمجھا بجھا کر ٹال دیا۔ مگر جب آپ کے وعظ کا سلسلہ برابر جاری رہا تو ایک دن انکے بڑے بڑے لوگ سب اکھٹے ہو کر پھر ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ "ابو طالب تم ہم مین بڑے بوڑھے ہو اسلئے ہمنے کہا تھا کہ تم اپنے بھتیجے کو منع کر دو۔ مگر تم نے کچھ نہین کیا۔ اب ہمسے اس کی باتین نہین سنی جاتین کہ وہ ہمارے معبودون کو بُرا کہے اور ہمکو اور ہمارے بزرگون کو کم سمجھ اور نادان بتائے۔ اب بھی یا تو تم اسے ان حرکتون سے روک لو ورنہ پھر ہمارے تمہارے لڑائی ہو جائیگی۔ اور اس وقت تک صلح نہوگی جب تک ایک فریق نہ مارا جائے" وہ تو یہ کہکر چلے گئے۔ مگر ابو طالب کو بڑا فکر ہوا۔ نہ تو وہ اپنی قوم سے خواہ نخواہ کی لڑائی مول لینا چاہتے تھے نہ آپکو بے یار و مددگار چھوڑنے کو انکا جی چاہتا تھا۔ آخر انہون نے آپکو بلایا اور آپ سے یہ سارا جھگڑا کہا۔ اور کہا کہ "یا ابن اخی ان لوگون نے مجھسے یہ کہا۔ اب تم خود اپنے اور میرے حال پر رحم کرو۔ اور مجھے ایسی بات پر مجبور مت کرو جو مجھسے ہو نہ سکے" یہ آپ کے لئے نہایت ہی نازک اور آزمائش کا وقت تھا۔ کیونکہ ابو طالب کی یہ بات سنکر آنجناب سمجھے کہ اب شاید انہون نے بھی میرا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور یہ بھی میری مدد سے دست بردار ہوتے ہین۔ مگر آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ "یا عم۔ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائین ہاتھ پر چاند لاکر رکھدین کہ مین اس بات کو چھوڑ دون تب بھی خدا گواہ ہے

کہ مین اسے نہین چھوڑونگا جب تک کہ اللہ اسے پورا نہ کردے۔ یا مین ہلاک نہ ہوجاؤنگا یہ کہکر آپ آبدیدہ ہوکر اُٹھکھڑے ہوئے اور وہانسے جانے لگے۔ مگر آپکو جاتے ہوئے دیکھکر ابوطالب نے آپکو پھر بلایا اور کہا "یا ابن اخی۔ جاؤ اور جو تمہارا جی چاہے۔ کہو۔ کیونکہ خدا کی قسم مین کبھی بھی تمہارا ساتھ نہین چھوڑونگا" (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۴۱)

جب اہل مکہ ابوطالب کی طرف سے ناامید ہوگئے تو اُنہون نے براہ راست آپکو ملانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک روز بعد مغرب اُنہون نے ایک جلسہ کیا۔ اور اُس مین آپ کو بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو انہون نے پہلے تو آپ سے بہت کچھ شکایت کی اور پھر یہ کہا کہ "اگر تو نے یہ نئی نئی باتین اسلئے پھیلانی شروع کی ہین کہ تو دولتمند ہوجائے۔ تو ہمنے آپس مین تیرے لئے اتنا روپیہ جمع کرلیا ہے۔ کہ تو ہم سب سے زیادہ مالدار ہوجائے۔ اگر تو ہم مین بزرگی چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہین۔ اگر تو ملک اور سلطنت کا خواہان ہے۔ تو ہم کو تجھے اپنا بادشاہ بنالینے مین بھی تامل نہین ہے۔ اور اگر تجھے آسیب ہوگیا ہے۔ تو ہم اپنے خرچ سے تیرا علاج کرنے پر بھی آمادہ ہین۔ اور اگر تو پھر بھی اچھا نہوا تو خیر ہم تجھے دیوانہ سمجھکر معذور رکھین گے۔ مگر یہ تو نہین دیکھا جاتا کہ تو ہمارے بتون کو بُرا کہے۔ اور ہم مین آپس مین تفرقہ ڈالدے اور ایک دوسرے کو جُدا کردے۔ اس سے تجھکو باز آنا چاہئے"

آپ نے فرمایا "مجھ مین ان مین سے کوئی بات نہین ہے۔ نہ مین مال چاہتا ہون نہ بزرگی۔ نہ بادشاہت۔ نہ مین دیوانہ ہون۔ لیکن اللہ نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے مامور کیا ہے۔ اور مین اللہ کا پیام تم تک پہنچاتا ہون۔ اور تمکو سمجھاتا ہون۔ اگر تم مانو تو تمہارے لئے دین دنیا کی بہتری ہے۔ اور اگر نہ مانو تو مین اللہ کے حکم پر صبر کرونگا۔ یہانتک کہ اللہ مجھ مین اور تم مین فیصلہ کردے۔ جو اسکو منظور ہو"

اسپر ان لوگون نے کہا کہ "اچھا اگر تو خدا کا رسول ہے تو ہمارے ملک مین سے

پہاڑون کو ہٹا دے۔ اور عراق و عجم کی سی نہرین بہا دے۔ اور ہمارے بزرگون کو زندہ کر دے"
آپ نے فرمایا "مجھے اللہ نے ان باتون کے لئے نہین بھیجا ہے۔ مجھے تو جو حکم دیا گیا ہے وہی کرتا ہون۔ اور جو پیام مجھے پہنچا ہے۔ اُسے تم تک پہنچاتا ہون۔ اس کا ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے"
انہون نے کہا "اچھا اگر تو ہمارے لئے کچھ نہین کرتا تو خود اپنے ہی واسطے باغ اور محل اور سونے چاندی کے خزانے مانگ لے۔ جس سے تیری ناداری اور تنگدستی دور ہو جائے اور ہم پر تیری فضیلت اور رسالت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ تو بھی گلی کوچون مین ایسے ہی پھرتا ہے۔ جیسے ہم پھرتے ہین۔ اور تو بھی تلاش معاش کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے کہ ہم۔ تو پھر ہم مین اور تجھ مین فرق کیا ہے۔ یا اگر یہ بھی نہین تو یہی کر کہ آسمان کو توڑ کر ہم پر لا گرا"
آپ نے اسکا بھی وہی جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اسلئے نہین بھیجا ہے۔ مجھے تو اس نے فقط بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے"
اُنہون نے کہا "یون تو ہم نہین مانینگے۔ اور واللہ کہ ہم تجھے نہین چھوڑین گے جبتک کہ ہم تجھے قتل نہ کر ڈالین۔ یا تو ہم کو نہ مار ڈالے"
اسپر جناب اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہانسے حزین و غمگین واپس تشریف لے آئے مگر اس ناکامی سے آپکے استقلال مین ذرا بھی تزلزل نہین ہوا۔ آپ کے واپس آجانے کے بعد اس مجلس مین ان سب لوگون نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا۔ اور ابو جہل نے عہد کیا کہ "خواہ کچھ بھی ہو کل جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی نماز مین سربسجود ہونگے۔ تو مین ایک بھاری پتھر اُٹھا کر انکے سر پر پٹک دونگا۔ پھر تم کو اختیار رہے۔ چاہو میری مدد کرو۔ یا مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اور قصاص مین بنی عبد مناف کا جو جی چاہے کرین" ان سب نے قسمین کھائین کہ "ہم ہرگز تیرا ساتھ نہ چھوڑین گے"
جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن حسب معمول کعبے مین نماز کے لئے

تشریف لائے اور نہایت اطمینان اور استقلال سے نماز مین مشغول ہو گئے۔ ابوجہل اپنی قرارداد کے مطابق ایک بڑا بھاری پتھر لئے بیٹھا تھا اور اہل قریش بڑے شوق سے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب آپ سجدے مین گئے تو ابو جہل پتھر لیکر جھپٹا۔ مگر جب آپکے پاس گیا تو یکایک مرعوب اور خوف زدہ ہو کر الٹا پھرا۔ اور پتھر اسکے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور یون اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنی قدرت کاملہ سے بچا لیا۔ (سیرت ابن ہشام ص۱۵)

لیکن اس واقعہ کی کیا خصوصیت ہے ایسے ایسے حملے بارہ برس تک بڑابر روز ہی ہوتے رہے۔ اور خدا یون ہی آپکو بچاتا رہا۔ مگر آپ جس دھن مین تھے۔ اس مین ان خطروں اور مخالفتون سے نہ کچھ کمی ہوتی تھی۔ نہ زیادتی۔ اور ہو بھی کیونکر سکتی تھی۔ آپکو اللہ نے جس کام کے لئے بھیجا تھا آپ کو اس کی تعمیل کے سوا اور کسی بات سے کچھ سروکار بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپکو یہ حکم مل چکا تھا کہ

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد ع)

اور جسکا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہین انمین سے بعض خواہ تمکو دکھادین۔ یا تمکو وفات دیدین (تمکو اس سے کچھ تعلق نہین) بیشک تمہارا کام تو صرف انکا پہنچا دینا ہے۔ اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

اور آپکی زندگی کا ہر ایک واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے کیسی کامل اطاعت اور احتیاط سے اس ارشاد کی تعمیل کی۔

آخر جب اس طویل مدت کے پیہم امتحان صبر ثبات کے بعد وہ وقت آگیا کہ آپ مکے سے ہجرت فرمائین۔ تو یہ واقعہ آپ کے استقلال کا سب سے بڑا ثبوت تھا صورت حال یہ تھی کہ اہل مکہ نے آپ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اور جس کام مین ابوجہل مرعوب ہو کر ناکام رہگیا تھا اُس کی تکمیل کے لئے تمام قبائل کا ایک ایک منتخب جوان مقرر ہوا تاکہ یون

آپ کے قتل کا الزام تمام قبیلون مین بٹ جائے اور بنی ہاشم کو آپکا قصاص لینے کی جرأت ہی نہو۔ بلاشبہ یہ رائے نہایت ہوشیاری اور دور اندیشی پر مبنی تھی۔ اور بظاہر عرب مین کوئی طاقت اس متفقہ کوشش کا مقابلہ نہین کرسکتی تھی۔ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہلکہ سے بچ جانا جس طرح تائید غیبی اور امداد ربانی کا نہایت نمایان ثبوت ہے۔ ویسی ہی آپکے ثبات و استقامت کا بھی نہایت واضح واقعہ ہے۔ جب ان لوگون نے رات کو آپکا مکان چارون طرف سے گھیر لیا۔ تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہہ سُلا دیا اور اپنی چادر اڑھادی۔ اور خود یکہ وتنہا بالکل اطمینان اور استقلال سے اُنکے بیچ مین سے ہوتے ہوئے نکل گئے۔ خدا نے اُنکی آنکھون پر ایسے پردے ڈالدیئے کہ کسی نے آپ کو جاتے ہوئے نہین دیکھا۔ اور یون انکی ساری کوشش رائگان گئی (سیرت ابن ہشام ص۲۶۵)

پھر جب آپ اور حضرت ابو بکرؓ نے مکے سے نکلکر تین شبانہ روز تک غار ثور مین قیام فرمایا۔ تو ایک دن حضرت ابو بکر نے وہین سے قریش کو ادھر آتے ہوئے دیکھا۔ اس سے وہ بہت پریشان ہوئے۔ اور انہون نے کہا" یا رسول اللہ اگر ان مین سے کسی نے نیچے نظر کی تو وہ ہم کو دیکھ لیگا" آپ نے جواب دیا" اے ابو بکر تم ان دو شخصون کی بابت کیا خیال کرتے ہو جنکا تیسرا اللہ ہے" یعنی جب اللہ ساتھ ہے تو پھر کوئی کیا کرسکتا ہے چنانچہ وہ لوگ غار کے پاس سے لوٹ گئے اور آپ اُنکے شر سے محفوظ رہے (بخاری ص۵۱۶)

اسکے بعد جب آپ وہان سے تشریف لیجارہے تھے اور اہل مکہ آپکی تلاش مین چارون طرف سرگردان تھے تو اتفاق سے ان مین سے ایک شخص سُراقہ ابن مالک نے آپ کو پالیا حضرت ابو بکر نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے۔ اور انہون نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ اُنہون نے ہمکو آلیا" آپ نے پھر بھی نہایت اطمینان سے فرمایا کہ" اے ابو بکر کچھ فکر مت کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے" (بخاری ص۵۱۱)

چنانچہ خدا کی قدرت سے وہی سُراقہ جو آپ کے پکڑنے کیلئے آیا تھا آپکی حفاظت کا

ذریعہ بن گیا۔ یعنی وہ آپ سے صلح کرکے واپس لوٹ گیا۔ اور جو اہل مکہ اس کو آپکے تعاقب مین آتے ہوئے ملے انکو بھی اُلٹا پھیرے گیا۔ سچ ہے۔ ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

مگر یقیناً اس تمام سفر مین خدا کے حکم سے آپکا استقلال و استقامت ہی آپکے محفوظ و مصئون رہنے کا ظاہری سبب بن گیا۔

ہجرت کے بعد مظالم قریش کے کم ہو جانے اور حالات کے بدل جانے سے آپکی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی مین کچھ فرق نہین ہوا اور بارہا اس کی آزمائش ہوئی۔ جنگ احد کے موقع پر آپ نے لڑائی کا ارادہ کرنے سے پہلے اصحاب کرام سے اس بارے مین مشورہ کیا تو یہ بات قرار پائی کہ میدان مین نکلکر لڑنا چاہیے۔ اس پر آپنے خود زیب سر فرما لیا۔ اور روانگی کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت پھر بعض لوگون کی رائے بدلی۔ اور انھون نے آپکو ٹھہرنے کی رائے دی۔ مگر آپ نے انکی طرف کچھ التفات نہ فرمائی اور کہا کہ "یہ بات نبی کی شان کے شایان نہین ہے کہ وہ خود پہنکر اسے اُتار دے تاوقتیکہ اللہ اُسے حکم نہ دے" (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۴)

جنگ حنین مین مسلمان پسپا ہو ہی چکے تھے۔ مگر محض آپکے استقلال و استقامت نے میدان جیت لیا۔ اس وقت اگر آپ کے قدم ذرا بھی ڈگمگاتے۔ نہین۔ اگر آپکی تیوری پر ذرا شل ہی پڑ جاتا تو مسلمانون کو ایسی شکست ہوتی کہ شاید دنیا کی تاریخ بدل جاتی۔ لیکن جہان نفسانیت کا گذر ہی نہو۔ اور جسکا ہر ایک کام خالصتہً لوجہ اللہ ہو اسکے پائے ثبات مین ناکامی سے کیا لغزش ہوسکتی ہے۔ اسکے لئے شکست و فتح دونون یکسان ہین۔ یہی وجہہ ہے کہ دشمن کے نرغے اور مسلمانون کی گریز پائی سے آپکا قدم پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے بڑھا۔ البتہ خدا نے ان مسلمانون کو جو فتح مکہ کی وجہہ سے اپنی شجاعت اور کامیابی پر مغرور ہو گئے تھے یہ سبق دیدیا کہ عزت ہمیشہ ذلت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور خدا کی مدد کسی قوم یا کسی نام کے ساتھ خاص نہین ہے۔ بلکہ نکوکاری کا صلہ اور حسن اعمال کا انعام ہے۔ چنانچہ اس کی بابت

کلام پاک میں یہ ارشاد ہوا ہے:-

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبہ ع)

بیشک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور خاصکر حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تمکو مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تعداد تمہاری کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت تم پر تنگ ہونے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا۔ اور ایسی فوجوں کو بھیجا جنکو تم نہیں دیکھتے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا انکو سزا دی۔ اور بیشک کفر کرنیوالوں کا یہی بدلہ ہے

حلم و تحمل

گذشتہ باب میں ہمنے جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کے وہی چند واقعات بیان کئے ہیں جو عرفی شجاعت اور ظاہری بہادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن آپکی طبیعت کا اصلی میلان اور آپکے خلق کریم کا صحیح نمونہ شجاعت کے دوسرے مفہوم یعنی ضبط نفس بردباری اور حلم کے موقعوں پر نظر آتا ہے۔

جنگ احد میں جب جناب رسالت مآب روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دندان مبارک عتبہ ابن ابی وقاص کے پتھر کے صدمے سے شہید ہو گیا۔ اور چہرۂ اقدس عبداللہ ابن شہاب الزہری کے حملہ سے مجروح اور خون آلود ہو گیا۔ تو آپ کے اصحاب کرام آنجناب کی اس تکلیف سے نہایت ملول اور رنجیدہ ہوئے۔ اور ان پر یہ حادثہ بہت ہی شاق گذرا۔ اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ "کاش آپ ان لوگوں کے حق میں دعائے بد فرماتے۔ تاکہ یہ اپنی کیفر کردار کو پہنچیں۔" آنجناب نے اسکے جواب میں فرمایا کہ "میں لعنت اور

بد دعا کرنے کے لیے نہین آیا ہون۔ بلکہ راہ راست کی طرف بلانے کے لئے آیا ہون۔ اور خدا نے مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے" اور پھر آپ نے اللہ سے دعا کی کہ" بار الہا۔ میری قوم کو بخشدے۔ اور انکو راہ راست کی ہدایت کر۔ کیونکہ وہ جانتے نہین" (شفاء ۴۹)

سبحان اللہ۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ خیر طلبی۔ یہ عذر خواہی کس حال مین۔ کن لوگون کی طرف سے کیگئی تھی۔ اس وقت جبکہ دہان اقدس سے خون جاری تھا خود کی دو حلقے مغفر کلگون مین ایسی گہری اترگئی تھی کہ ابو عبیدہ ابن الجراح نے دانتون سے پکڑ کر بمشکل انکو نکالا تو اس سے انکا دانت گر گیا۔ اور ان لوگون کے لئے جو شروع سے آپ کے درپئے آزار ہی تھے۔ جنکے مظالم گوناگون نے آپکو ترک وطن اور مفارقت احباب پر مجبور کیا۔ جنکے تشدد و تعذیب سے آپ کے بیسیون رفیق اور دوست تڑپ تڑپ کر جان بحق ہو گئے۔ اور جنکی روز افزون زیادتیون سے آخر آپکو آپکی طبیعی مروت اور رحمدلی کے برخلاف تلوار اُٹھانی پڑی۔ اور جسکا خونریز اور جانکاہ صدمہ اسی وقت دوسرون پر نہین پڑا۔ بلکہ خود آپکی ذات بابرکات پر اتنی شدت سے پہنچا تھا۔ ایسی حالت مین ایسے لوگون کے لئے ایسی دعا سے بڑھکر بردباری۔ تحمل اور حلم کی کیا مثال ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ طفیل بن عمرو نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ" یارسول اللہ قبیلہ دَوس نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے۔ اور اسلام لانے سے انکار کرتا ہے۔ آپ انکے لئے بد دعا کیجیے" آپ نے ہاتھ اُٹھائے لوگ سمجھے کہ آپ انکے لئے بددعا کرتے ہین۔ مگر آپ نے کہا تو یہ کہا کہ" بار الہا دوس کو ہدایت کر اور راہ راست دکھلا۔ اور انکو دائرہ اسلام مین لے آ" (بخاری ص ۹۴۶)

غزوہ ذات الرقاع (سنہ ۴ھ) کا واقعہ ہے کہ آنجناب اتفاق سے احباب واصحاب سے جدا ہو کر ایک درخت کے نیچے دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ دشمنون مین سے ایک شخص غورث بن الحارث وہان پہنچا۔ اور اُس نے آپکو تنہا سوتا ہوا پا کر آپکے قتل کے ارادہ سے

تلوار کھینچی کہا تنے مین آپکی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو دشمن ننگی تلوار لئے سر پر کھڑا تھا۔ اسنے آپکو بیدار دیکھکر کہا کہ "اب بتا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "اللہ" اللہ اب اسے خدا کی قدرت کہیے یا رعب نبوت سمجھئے۔ بہرحال خواہ وجہ کچھ ہی ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہیبت سے اسکے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر آپ کے قدمون پر گر پڑی۔ آپ نے وہی تلوار اٹھا کر فرمایا کہ "اب تو بتا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائیگا" اُسنے کہا "کوئی نہین۔ مگر ہان تو ہی عمدہ بدلہ دینے والا ہو۔ اور حلم و عفو سے کام لے" آپ نے اسے معاف کر دیا اور چھوڑ دیا (بخاری) بعض راویون کا بیان ہے کہ جب وہ اپنے لوگون مین آیا تو اُسنے اُنسے کہا کہ "مین بہترین خلق کے پاس سے آیا ہون" اور یہ قصہ کہا اور یہی وجہ اسکے اسلام لانے کی ہوئی (شفا ص۴۷)

انس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہین کہ ایک مرتبہ مین جناب رسالت مآب کے ہمرکاب تھا آپ اُس وقت ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جسکی کور بہت موٹی تھی۔ ایک بدوی نے چادر کا کنارہ پکڑکر اس زور سے جھٹکا دیا کہ اس کی موٹی کور کی رگڑ سے آپکے شانے اور گردن پر نشان پڑ گیا (بخاری) آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے اس مال مین سے جو تیرے پاس ہے میرے دونون اونٹون پر بھی کچھ لاد دے۔ کیونکہ اس مین سے جو کچھ تو مجھے دیگا وہ کچھ تیرا یا تیرے باپ کا مال نہین ہے" یہ سنکر آنجناب اور درشت بات سنکر پہلے تو آنجناب فرط حلم و کرم سے خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "بیشک مال تو اللہ کا ہے۔ اور مین اسکا بندہ ہون۔ مگر اے اعرابی یہہ تو کہہ کہ اب تیرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے" اسنے کہا "نہین" آپ نے پوچھا "کیون نہین" اس نے کہا "کیونکہ تو برائی کے عوض مین برائی نہین کرتا" یہ سنکر آنجناب ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ "اسکے ایک اونٹ پر جو اور ایک پر کھجورین بار کرکے اسے دیدین" (شفا ص۴۷)

ایک مرتبہ ایک یہودی زید بن سَعنہ اسلام لانے سے پہلے آپ کے پاس اپنے کچھ قرض کا تقاضہ کرنے آیا۔ اور شانۂ مبارک سے چادر کھینچ لی۔ اور بہت کچھ بک جھک کر کہنے لگا کہ تم بنی عبدالمطلب بڑے ہی نادہند اور وعدہ خلاف ہو۔ اس کی اس بدزبانی پر بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم برابر مسکراتے رہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُسے جھڑک کر ایسی بیہودہ گوئی سے روکنا چاہا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "اے عمر تم نے ہم دونوں سے وہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جو ہونا چاہئے تھا اور جسکی ہمکو ضرورت تھی۔ یعنی مناسب یہ تھا کہ تم اسے جھڑکنے کی بجائے مجھ سے ایفاء وعدہ اور ادائے قرض کے لئے کہتے۔ اور اسکو حسن طلب اور نرمی تقاضہ کی ہدایت کرتے"۔ یہ کہکر آپ نے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ اور اسکو جھڑکنے کی معاوضہ میں اسے بیس صاع (تقریباً ڈیڑھ من) جَو اور دیدیں"۔ حالانکہ اس وقت میعاد قرض میں بھی تین دن باقی تھے۔ اس حلم۔ نیک طینتی اور خوشخوئی نے اس شخص کے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ اسکا بیان ہے کہ "مجھے آپ میں نبوت کی تمام نشانیاں معلوم ہوتی تھیں۔ مگر صرف دو باتیں میں نے نہیں آزمائی تھیں۔ ایک تو یہ کہ انکا حلم انکے غصے سے زیادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان پر جتنی سختی کیجائے اسی قدر انکی نرمی اور مہربانی بڑھتی جاتی ہے۔ اب میں نے ان دونوں صفتوں کو آپ میں برای العین دیکھ لیا۔ اور مجھے آپکی رسالت میں کچھ شبہ نہیں رہا" (شفاء ص۴۸)

حقیقت میں ضبط نفس اور حسن اخلاق سے بڑھکر انسان میں اور کیا خوبی ہوسکتی ہے اور اس خوبی کے کمال کا مذکورۂ بالا واقعہ سے بڑھکر اور کیا معجزہ ہوسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب سرور کائنات نے حمایت حق میں محارم آلٰہی کے حفاظت کی نیت کے سوا اپنے اوپر کسی قسم کے ظلم و زیادتی سے کبھی دادخواہی نہیں کی۔ اور کسی ذاتی حق تلفی اور ستم رسیدگی کا ہرگز انتقام نہیں چاہا۔ نہ آپ نے حالت جہاد کے سوا کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ نہ تنبیہ کے لئے نہ سزا کے طور پر۔ (بخاری از مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۴)

سب جانتے ہین کہ آپ مسجد سے زیادہ کسی مقام کی عزت نہین کرتے تھے۔ یہانتک کہ اگر اس مین کوئی ذراسی ناپاک اور غلیظ چیز بھی پڑی ہوئی تھی تو آپکو بہت ملال ہوتا تھا۔ مگر ایکدن ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بدو وہان آیا۔ ان وحشی صحرائیون کو اتنی تمیز کہان۔ اسنے وہین مسجد مین بیٹھکر پیشاب کر دیا۔ اس کی یہ بدتہذیبی اور بے ادبی سب کو شاق گزری۔ اور لوگ اسے مارنے اُٹھے۔ مگر جناب سرورکائینات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انکو روک لیا۔ اور فرمایا کہ "اسے جانے دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔ کیونکہ بیشک تم آسانی اور نرمی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو سختی اور تشدد کرنے کے لئے نہین بھیجے گئے ہو"۔ بخاری ص۹۵ و ص۹۰۵)

آپ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّہٖ | اللہ کل کامون مین نرمی اور رفق کو پسند کرتا ہے

(بخاری ص۹۵)

اور بلاشبہ آپکا طرز عمل ہمیشہ ہر حال مین اس قول کے مطابق رہا۔

عفو و رحم

غور سے دیکھا جائے تو حلم اور عفو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہین۔ وہی شخص دوسرون کی لغزشون اور غلطیون سے چشم پوشی کرسکتا ہے جسے اپنے نفس پر اختیار اور اپنی طبیعت پر اقتدار حاصل ہو۔ ورنہ جس مین حلم نہین ہے اس مین رحم ممکن نہین ہے مغلوب الغیظ آدمی کو تو اورون سے درگذر کرنے کی جگہہ اکثر خود اپنی تیز مزاجی اور زودرنجی پر انسے معافی مانگنے اور معذرت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حقیقت مین جس طرح حلم شجاعت کے ایک خاص اور زیادہ اعلیٰ درجہ کا نام ہے۔ ویسے ہی رحم حلم کی ایک مخصوص اور زیادہ پاکیزہ صورت سمجھنی چاہیئے۔ کیونکہ حلم تو یہ ہے کہ آدمی ناپسندیدہ حالات اور خلاف طبیعت

واقعات کو سنجیدگی اور متانت سے برداشت کرے اور انکے ناگوار ہونے کی وجہ سے
از خود رفتہ نہ ہو جائے۔ اور رحم یہ ہے کہ اُن حالات کے باعث اور اُن واقعات کے
موجب شخص پر دسترس رکھنے کے باوجود بھی معاف کر دے اور اسکی قابل سرزنش حرکتوں
پر اسے کچھ نہ کہے۔ اسلئے قرآن مجید مین ارشاد ہوا ہے کہ

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران رع ۱۴)

اور غصہ کو پی جانیوالے۔ اور لوگون سے درگذر کرنیوالے اور اللہ بھلائی کرنیوالون کو دوست رکھتا ہے۔

اور اسی تعلق کی بنا پر بھی شجاعت کے لئے حلم اور رحم جزو لازم سمجھے گئے ہین۔ اور
اس وجہ سے یہ کسی طرح ممکن نہین کہ جس طبیعت مین اتنا اعلیٰ درجہ کا حلم موجود ہو جیسا کہ گذشتہ
باب مین چند روایتون سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مین عفو اور رحم کی صفات حسنہ علیٰ وجہ کمال
نہ پائی جائین۔ چنانچہ واقعات شاہد ہین کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات
نہایت ہی رحیم المزاج واقع ہوئے تھے۔ اور حتی المقدور اپنے بڑے سے بڑے دشمنون کو بھی
معاف فرما دیتے تھے۔ قریش مکہ سے زیادہ سخت دشمن آپکے اور کون تھے۔ اور انسے زیادہ
کس کے ہاتھون آپکو تکلیفین پہنچی تھین۔ اسلئے فتح مکہ کے وقت ان سبکو یقین تھا کہ ان کی ایک
ایک بات کا انسے بدلہ لیا جائیگا۔ اور ان کی سابقہ جفاؤن ہی ان کی تباہی اور بربادی کا سبب
بنجائینگی۔ لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپ نے کسی کو بھی کچھ نہین کہا۔ اور سبکو معاف کر دیا۔
پھر آپ نے انسے پوچھا کہ "تم لوگ کیا کہتے تھے کہ مین تمسے کیا برتاؤ کرونگا" اُنہون نے کہا کہ "اچھا
کیونکہ آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہین" آپ نے فرمایا کہ "آج مین بھی تم سے وہی
کہتا ہون جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیون سے کہا تھا۔ (شفاء ۴۸)

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ (یوسف رع ۱۰)

آج تمپر کچھ الزام نہین ہے۔ اللہ تمکو معاف کردے اور
اور بیشک وہ تمام رحم کرنیوالون مین سے بڑا رحم کرنیوالا ہے

خیبر کی ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے آپکی خدمت مین ایک بھنی ہوئی بکری

پیش کی جس مین اُسنے زہر ملا دیا تھا۔ آپ اور اصحاب کرام اُس مین سے کھانے لگے گاتنے مین آپ نے سبکو ہاتھ روکنے کے لئے ارشاد فرمایا اور کہا کہ یہ گوشت مسموم ہے۔ پھر آپ نے اس عورت کو بلا کر اُس سے پوچھا۔ تو اس نے یہ عذر کیا کہ مین آپکے دعوئے نبوت کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ پیغمبر کو زہر سے کچھ نقصان نہین ہوسکتا۔ آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔ حالانکہ آپ کے بعض اصحاب زہر کے اثر سے انتقال کر گئے۔ اور خود آنجناب کا مزاج مقدس بھی ناساز رہا لیکن اسکے انتقام مین آپنے اس سے باز پرس نہین فرمائی (بخاری ص۴۴۹)

رحم کی ترغیب و تحریص کے لئے آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ (ابوداؤد)	رحم کرنیوالون پر رحمن رحم کرتا ہے تم زمین والون پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا۔

اور اس مین قطعاً شائبہ شبہ تک نہین ہوسکتا کہ آپ خود اس قول کے سب سے اعلےٰ اور اکمل عملی نمونہ تھے۔

سلمہ رضی کہتے ہین کہ "ایک روز مین مدینہ سے نکلا۔ اور غابہ کی طرف چلا جب مین جنگل کے پاس پہنچا تو مجھے عبدالرحمن بن عوف کا غلام آتا ہوا ملا۔ اور اسنے مجھسے کہا کہ آنجناب کی اونٹنیان چورلے گئے۔" مینے پوچھا کہ "وہ کون لوگ تھے" اس نے کہا کہ "غطفان اور فزارہ" مینے وہین تین نعرے لگائے "یاصباحاہ۔ یاصباحاہ" ایسے کہ جنگل گونج اُٹھا۔ پھر مین ان کے تعاقب مین بھاگا۔ تو مینے تھوڑی دور پر انکو جالیا۔ وہ پانی پینے کے لئے ٹھہرے تھے۔ مینے ان پر تیر برسانے شروع کئے۔ اور مین رجزیہ شعر پڑہتا جاتا تھا۔ یہان تک کہ وہ اونٹنیان چھوڑکر بھاگ گئے۔ اور مین انکو گھیر لایا۔ راستے مین مجھے آپ آتے ہوئے ملے۔ مینے آپسے قصہ کہا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ "وہ لوگ ابھی پیاسے ہین۔ اگر انکے پیچھے کچھ آدمی بھیجدیئے جائین تو غالباً وہ گرفتار ہوسکتے ہین" آپ نے فرمایا "اے ابن الاکوع اب تجھنے اپنا مال پالیا اب انکو جانے دو۔ وہ اپنے ساتھیون سے جاملے ہونگے" (بخاری ص۴۲۷) یہ درگذر محض آپکے

رحم کی وجہ سے تھی۔ ورنہ چوروں کا پکڑا جانا کیا مشکل تھا۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے۔ اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ جب آپ وہاں تشریف لائے تو آپ نے اس سے کہا "اے ثمامہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے" اُسنے جواب دیا "یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ارادہ بھلائی کا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کر دیگا تو مجھ پر بہت سے خون ہیں۔ (یعنی میرا قتل حق بجانب ہوگا) اور اگر تو احسان کریگا تو وہ ایسے شخص کے ساتھ ہوگا جو شکر گزار رہیگا۔ اور اگر تو مجھسے کچھ مال وصول کرنا چاہتا ہے تو جو تیرا جی چاہے مانگ لے۔ (یعنی میں دولتمند آدمی ہوں۔ رقم فدیہ ادا کر سکتا ہوں) آپ نے ایک دو دن کے بعد اُسے چھوڑ دیا۔ رہا ہو کر وہ مسجد کے باہر چلا گیا۔ وہاں سے ذرا دیر میں نہا دھو کر پھر آیا۔ اور کلمہ شہادت پڑھکر مسلمان ہو گیا۔ اور کہنے لگا "یا رسول اللہ دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ عداوت اور آپ کے مذہب سے زیادہ نفرت کسی چیز سے نہ تھی۔ مگر اب مجھے آپ سب سے زیادہ محبوب اور آپکا مذہب سب سے زیادہ مرغوب ہے" (بخاری ص۶۲۷)

اس سے بھی زیادہ رحم و عفو کا واقعہ حاطب ابن ابی بلتعہ کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ "جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر اور مقداد کو روضہ خاخ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ "وہاں ایک اُشتر سوار عورت ہے۔ اور اسکے پاس ایک خط ہے وہ خط لے آؤ" ہم چلے اور جب ہم اس باغ میں پہنچے تو وہاں وہی عورت ملی ہمنے اس سے خط مانگا۔ تو اس نے انکار کیا۔ مگر ہمیں یقین تھا کہ آنجناب کا فرمانا غلط نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ہمنے اس سے کہا کہ "یا تو تو خود وہ خط دیدے۔ ورنہ ہم تیری تلاشی لینگے" ہمارا یہ اصرار اور یقین دیکھکر اُسنے اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔ ہم وہ لیکر آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھا تو وہ خط حاطب ابن ابی بلتعہ نے بعض مشرکین مکہ کو لکھا تھا۔ اور اس میں انکو آنجناب کے ارادوں اور تجویزوں وغیرہ کی اطلاع دی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا

سوا ے حاطب یہ کیا؟" اسنے کہا" یارسول اللہ۔ ذرا ٹھہریے۔ مین اہل قریش مین سے تو ہون نہین کہ انکو میری قرابت کا پاس ہو۔ اور مہاجرین کے تو انسے رشتہ داری کے تعلقات ہین۔ اور انکے اعزہ مکے مین ہین۔ جو انکے اہل وعیال اور انکے مال و منال کی حفاظت کرتے ہین۔ مگر میرا کوئی بھی نہین ہے۔ اسلئے مینے یہ جاسوسی اور خبر رسانی اس خیال سے کی تاکہ میرا بھی قریش پر کوئی احسان ہوجائے۔ اور وہ میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہین۔ ورنہ مینے یہ فعل کفر و ارتداد کی وجہہ سے نہین کیا؟" آپنے یہ سنکر اصحاب سے فرمایا کہ" اس نے سچ سچ کہدیا" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا" یارسول اللہ اجازت دیجئے کہ مین اس منافق کی گردن اڑادون" مگر آپنے فرمایا کہ" یہ شخص جنگ بدر مین شریک تھا" (گویا اسلئے قابل معافی ہے) یہ سنکر حضرت عمرؓ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے اور اُنھون نے کہا" اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتا ہے" (بخاری ص۵۶۷)

اللہ اللہ کسقدر رحم وحلم ہے کہ ایک شخص آپکا رفیق اور دوست بنکر آپکے ساتھ رہتا ہے اور پھر آپکی تمام تجاویز سے دشمن کو اطلاع دیتا ہے۔ آپ اسے پکڑ لیتے ہین اور اسکا جرم اتنا یقینی ہے کہ وہ خود انکار کی گنجائش نہین پاتا اور اسکا عذر بدتر از گناہ معلوم ہوتا ہے مگر آپکا رحم خود اسکا عذر خواہ بنکر اسکی جان بخشی کرادیتا ہے۔ حالانکہ آج کل کی بڑی سے بڑی مدعی تہذیب سلطنت مین اس جرم کا شبہ بھی سزائے قتل کے لئے کافی ہے اور اس مین کسی قسم کی بھی رعایت کا امکان نہین۔

ذاتی تعلق کے لحاظ سے آپکے رحم وعفو کی ایک مثال اس سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ جنگ بدر مین ایک شخص طعیمہ بن عدی جناب سیدالشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عرب جاہلیت مین تو ایسے واقعات کا رونا برسون بلکہ پشتون تک رہتا تھا۔ چنانچہ اسکے بھتیجے جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے یہ وعدہ کیا کہ" اگر وہ حضرت حمزہ کو مارڈالے تو آزاد ہوجائے" وحشی آپکی تاک مین رہا۔ جنگ احد مین جب وہ ایک شخص سباع سے مصروف جنگ تھے تو وحشی نے موقع پاکر پیچھے سے آپکو نیزہ مارا جس سے آپ

شہید ہو گئے۔ اس کے بعد وحشی حسب قرارداد آزاد ہو کر مکے مین رہنے لگا اور جب مکہ فتح ہو گیا تو وہانسے بھاگ کر طائف پہنچا۔ اتفاق سے اسے معلوم ہوا کہ اہل طائف نے قاصد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین جا رہے ہین تو وہ بھی انکے ساتھ ہولیا۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ آپ قاصد کو کچھ نہین کہتے۔ چنانچہ جب آپکی نظر اُسپر پڑی تو آپ نے پوچھا کہ "کیا تو وحشی ہے" اُس نے کہا "ہان" آپ نے پوچھا کہ "کیا تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا تھا" اس نے کہا "آپ نے جو کچھ سُنا ہے وہ سب درست ہے" آپنے فرمایا "کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ میرے پاس سے چلا جائے اور مجھے اپنی صورت نہ دکھائے" چنانچہ وہ وفات حسرت آیات تک سامنے نہین آیا۔ اوآخر مسیلمہ کذاب کو قتل کرکے اُسنے قتل حمزہؓ کی تلافی کی۔ یہ قصہ خود وحشی نے جعفر بن عمرو ضمیری اور عبداللہ بن عدی سے بیان کیا تھا۔ (بخاری ص۵۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہتی ہین کہ "مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مین شب قدر کو پا جاؤن تو کیا دعا مانگون۔ آپ نے فرمایا۔ یہ

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ" (مشکوٰۃ ص۱۵۲)	اے اللہ تو بڑا درگذر کرنیوالا ہے۔ اور تو درگذر کرنے کو پسند کرتا ہے۔ تو مجھے بھی درگذر کر۔

اس ایک بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپکے نزدیک عفو کسقدر پسندیدہ صفت ہے۔ اور مذکورہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ آپ اس صفت کے کیسے کامل اور جامع نمونہ تھے۔

صبر و شکر

صبر دنیا مین انسان کے لئے نہایت ہی ضروری اور مفید صفت ہے۔ اس کا تعلق ایک طرف تو حلم سے ہے۔ اور دوسری طرف تسلیم و رضا سے۔ حلم اس حال مین ممدوح ہے جبکہ آدمی قدرت ہوتے ہوئے بھی بجا غصے کو دبالے۔ لیکن صبر کے قابل تعریف ہونے مین

قدرت اور استطاعت کی شرط نہین ہے۔ بلکہ جب کبھی آدمی کسی انسانی یا آسمانی خلاف طبع بات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیتا ہے اور اسپر جزع و فزع اور داد فریاد کرنے سے باز رہتا ہے تو وہی صبر ہے۔ اور یقینًا مستحسن اس طرح جیسے حلم کا ظاہری نتیجہ عفو ہی ویسے ہی صبر کا عملی نتیجہ شکر ہے۔ مگر ہمین اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ایسے صبر کی ہرگز تعلیم نہین دی جو کسی طرح بھی ہماری حالت کی اصلاح مین مانع ہو۔ یا جسے ہم ہاتھ پاؤن توڑکر بیٹھ رہنے کا حیلہ بنا سکین۔ اسلام نے تو اصول ہی یہ ٹھہرایا ہے کہ

أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ (النجم رع)

بیشک انسان کے لئے وہی ہے جسکی وہ کوشش کرتا ہو اور اسکی کوشش ضرور ملحوظ رکھی جائیگی۔

کوشش نہ کرنا صبر ہے ہی نہین۔ بلکہ یہ تو پڑلے درجے کی کاہلی۔ بزدلی اور پست ہمتی ہے۔ اور اسکا نتیجہ شکر کی بجائے انتہا کی ناشکری ہے۔ کیونکہ خدا کی دی ہوئی طاقتون سے کام نہ لینے اور انکو رائگان چھوڑ دینے سے بڑھکر اس کی نعمتون کی اور کیا نا قدردانی اور ناشکرگزاری ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید مین تو جا بجا اس کو کفر کہا گیا ہے۔ اور حقیقت مین ناشکری ہی کفر ہے۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق صبر محمود وہی ہے کہ آدمی ان ناگزیر واقعات پر بیقراری اور ناشکیبائی کا اظہار نہ کرے جو اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہین۔ لیکن جن باتون پر اس کی دسترس ہے۔ ان مین حتی المقدور پوری کوشش نہ کرنا صرف صبر کا غلط استعمال ہی نہین۔ بلکہ سخت گناہ اور بڑا کفران ہے۔ اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام واقعات زندگی اس سچی تعلیم کی عملی مثال ہین۔ آپ شدائد پر صبر کرتے تھے۔ مگر آپ کی تسلیم و رضا ناخوش آئند باتون کی امکانی مدافعت مین مانع نہ تھی آپکو اللہ پر کامل توکل تھا۔ لیکن یہ توکل آپکی سعی و کوشش مین مخل نہ تھا۔

گفت پیغمبر بہ آواز بلند ؁ بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

آپ بے انتہا صابر تھے۔ کفار مکہ کے ہاتھ سے آپکو جو ایذائین پہنچین۔ انکا برداشت کرنا

آسان کام نہ تھا۔ آپ ہی کا جگر تھا کہ آپ نے ان پر صبر کیا۔ اور کبھی اپنے فرض کے بجالانے مین اضطرار اور اضطراب کو دخل نہ دیا۔ حالانکہ حالت یہ تھی کہ آپ کے وعظ و نصیحت پر تمسخر اور استہزا تو شروع ہی سے کیا جاتا تھا۔ پھر نوبت سب و شتم تک پہنچی۔ وہ لوگ کبھی آپ کو دیوانہ اور مجنون کہتے تھے۔ کبھی ساحر اور عیار قرار دیتے تھے۔ کبھی آپ کی ناداری اور بیکسی پر آوازے کستے تھے۔ جب ان باتون سے کچھ نتیجہ نہ نکلا تو انہون نے آپ کے ساتھ اور زیادہ گستاخی اور بے حرمتی کا برتاؤ کیا۔ آپ کے راستے مین کانٹے بچھائے گئے اور چونکہ غالباً آپ اس زمانے مین برہنہ پا پھرتے ہونگے اسلئے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس سے آپکو کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔ جب آپ کعبے مین نماز ادا فرماتے تھے تو کفار آپ کو ہر طرح چھیڑتے اور پریشان کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ پر خاک ڈالدی اور آپ اس حال مین گھر تشریف لائے۔ تو آپکی ایک صاحبزادی نے مٹی جھاڑ دی۔ اور سر دھلایا۔ اور وہ روتی جاتی تھین۔ آپ نے فرمایا "بیٹی رو مت۔ بیشک اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے" (سیرت ابن ہشام ص۲۲۷)

ایک روز اور ایسا ہی ہوا کہ آپ سایہ کعبہ مین نماز پڑھ رہے تھے۔ اس دن مکے مین اونٹ ذبح ہوئے تھے۔ ابوجہل وغیرہ نے انکے آلائش آپکے اوپر ڈال دی۔ اُس وقت اتفاق سے حضرت فاطمہؓ پہنچ گئین۔ اور انہون نے اسے آپ پر سے ہٹایا۔ (بخاری ص۷۴)

روایت ہے کہ ایک بار عروہ بن زبیر نے عبداللہ بن عمرو برحمہم اللہ سے پوچھا کہ "یہ تو بتاؤ کہ مشرکون نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ سخت بدسلوکی کیا کی تھی" اُنہون نے جواب دیا کہ "ایک روز آپ کعبے مین نماز ادا فرماتے تھے کہ اتنے مین وہان عقبہ بن ابی معیط آگیا۔ اُسنے گردن مبارک مین ایک کپڑا لپیٹ کر بڑی سختی سے آپکا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ حسن اتفاق کہ حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپہنچے اور آپ نے عقبہ کے کندھے پکڑ کر اسے پیچھے ہٹایا اور کہا کہ "کیا تم لوگ اس شخص کو مارے ڈالتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے" (بخاری صفحہ ۵۱۹)

لیکن غالباً آنجناب کو ان تمام ذاتی تکلیفوں سے زیادہ تکلیف اپنے اصحاب و رفقا کی تکلیف اور پریشانی سے ہوتی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی وجہ تھی کہ اہل مکہ بیکس و مسکین مسلمانوں کو اتنی سخت اذیتیں پہنچاتے تھے۔ جسے سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ ورنہ ان بیچارون نے انکا کیا بگاڑا تھا۔ وہ تو ان کے بتون کو بھی برا نہ کہتے تھے۔ فقط اتنا البتہ تھا کہ خود ان کے دل مین نور ایمان گھر کر گیا تھا۔ اور اس سعادت عظمےٰ اور نعمت کبریٰ کے مقابلے مین کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت انکی حقیقت شناس نظر مین کچھ وقعت نہین رکھتی تھی۔ مگر بات یہی تھی کہ چونکہ آنجناب پر دست درازی کی جرات تو وہ کر نہین سکتے تھے۔ اسلئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی کی کوشش کرتے تھے۔ اور چونکہ آپکی رحیم المزاجی اور رقیق القلبی کو بھی جانتے تھے۔ اسلئے آپ کے ضعیف اور کمزور پیرو ون کو تکلیف دیکر آپ کو تکلیف پہنچانا چاہتے تھے۔ یہانتک کہ ان مین سے متعدد آدمی تو انکے ظلم و تشدد ہی سے جان بحق تسلیم ہوگئے۔ جناب رسالت مآب ان سب جسمانی اور روحانی سختیون کو اٹھاتے تھے۔ مگر رشتۂ صبر ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ اور ادائے فرض سے منہ نہ موڑتے تھے۔

یہ تو اپنے ابنائے قوم کی آزار رسانیون پر صبر کی مثالین تھین۔ اور حقیقت مین انہی کا برداشت کرنا طبیعت پر زیادہ گران بھی ہوتا ہے۔ مگر انکے علاوہ اور ناخوشگوار واقعات سے بھی آپکی زندگی خالی نہ تھی۔ اور آپ رسول خدا ہونے کی وجہ سے ان حادثات سے مصؤن نہ تھے۔ جو عام طور پر انسان کو وقتاً فوقتاً پیش آتے ہین۔ اگرچہ ہمکو ان مین سے اکثر حالات تو معلوم ہی نہین۔ کیونکہ آپکا تسلیم و توکل خود آپ کو بھی کسی تکلیف کا احساس نہین ہونے دیتا تھا تو اورونکو انکا علم کیونکر ہوسکتا تھا۔ تاہم آپکی اولاد امجاد کی

انتقال کا حال تو تاریخی واقعہ ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے۔ قاسم۔ طاہر۔ طیب۔ (از حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا) اور ابراہیم (از ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا) پیدا ہوئے۔ مگر چاروں کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اولاد کی موت سے زیادہ آدمی پر اور کیا صدمہ ہو سکتا ہے۔ یوں تو ہر جگہ ہی مگر خاص کر عرب میں تو اولاد کو بڑی قدر تھی۔ کیونکہ انہی پر قبیلوں کی طاقت کا مدار تھا۔ اور انہی سے آئندہ نسل چلنی تھی وہاں جسقدر لڑکیوں سے نفرت کیجاتی تھی۔ اُسی قدر لڑکوں سے محبت کیجاتی تھی۔ چنانچہ سنگدل اہل مکہ آنجناب کے ان حوادث پر بھی آپ سے استہزا کرتے تھے۔ اور آپکو ابتر (مقطوع النسل) ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے آپکی تسکین کے لئے فرمایا

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ بیشک تیرا دشمن ہی مقطوع النسل اور بے نام و نشان ہے

چنانچہ دیکھئے کہ یہ وعدۂ صادقہ کتنی عمدگی سے پورا ہوا۔ کہ اُسی زمانے میں ان لوگوں کا کوئی نام لیوا نہ رہا۔ اور ایک ہی پشت کے بعد خود انکی اولاد دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر ان پر لعنت کرنے لگی۔ لیکن بہرحال ان سب باتوں سے بھی آپکے پائے صبر و ثبات میں لغزش نہیں ہوتی تھی۔

انس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لہار کے یہاں گئے۔ جس کی بیوی آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلاتی تھیں۔ اس وقت ابراہیم بالکل جان بلب تھے۔ ان کی حالت دیکھکر آپکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے (ذرا ان لوگوں کی سخت دلی کو دیکھئے) کہ اس حالت میں آپکو تو بدیدہ دیکھکر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "یا رسول اللہ۔ آپ بھی" (یعنی آپ بھی بے صبری کا اظہار فرماتے ہیں) آپ نے فرمایا "اے ابن عوف۔ یہ آنسو رحم اور شفقت کی وجہ سے ہیں۔ (یعنی بے صبری اور ناشکری کی وجہ سے نہیں ہیں) اور بیشک آنکھ سے آنسو بہتے ہیں۔ اور دل رنج کرتا ہے مگر ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو" (بخاری ص ۱۷۲)

اسی طرح اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ "آپکی ایک صاحبزادی کے لڑکے کا انتقال ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے آپکو بلایا۔ آپ نے انکو سلام کہلا بھیجا۔ اور یہ کہا کہ "بیشک جو اللہ نے لے لیا وہ اسکا تھا۔ اور جو کچھ اسنے دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ اور اس کے نزدیک سب کا ایک وقت مقرر ہے۔ اسلئے تم کو صبر اور شکر سے کام لینا چاہیئے۔" اُنہوں نے پھر آپ کو قسم دلاکر یہ تاکید بلوایا۔ تو آپ اصحاب سمیت تشریف لے گئے۔ آپ نے بچے کو اُٹھایا۔ تو اسکا سانس اکھڑ چکا تھا۔ آپ کے آنسو بھر آئے۔ یہ دیکھکر سعد نے آپکو ٹوکا اور کہا "یا رسول اللہ یہ کیا؟" آپ نے فرمایا "یہ رحمت اور رقت ہے۔ جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ اور بیشک اللہ اپنے رحیم المزاج بندوں پر رحم کرتا ہے۔" یعنی اس اشکباری کو اضطراب پر محمول نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ یہ تو عین صبر ہے۔ البتہ کسی عزیز کی مفارقت کو محسوس نہ کرنا قساوت اور سخت دلی کی دلیل ہے۔ (بخاری ص۱۷۱)

سبحان اللہ۔ خدا نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنا نیک۔ اور پاک دل عطا فرمایا تھا۔ اور آپکو ہر ایک بات میں افراط و تفریط سے کس خوبصورتی سے بچایا تھا۔ یہی صبر اگر ذرا بڑھ جائے۔ کہ آدمی کو اپنے عزیزوں سے ہمدردی نہ رہے۔ اور اس کا دل انکے صدموں کو محسوس نہ کرے۔ تو یہ قساوت بجائے۔ اور قطعاً قابل تعریف نہ ہو۔ اسکے برخلاف اگر وہی آنسو جو ایک شیر خوار بچے کی جان کنی یا ایک ضعیف بیوہ کی بیکسی پر ٹپکتے ہیں۔ خود اپنی جسمانی تکلیف۔ یا اپنے ادائے فرض کی وقتوں پر تکلیف تو وہ جبن ہو جائے۔ اور یقیناً مستحق ملامت ٹھہرے۔ یہ اعتدال مزاج اللہ تعالےٰ کا ایک بے بہا عطیہ ہے۔ جس کو وہ چاہے عطا فرماوے۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

ان دونوں صورتوں کے سوا صبر کی ایک قسم اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے لئے کسی قسم کی آسائش کا اسباب مہیا کرنا آدمی کے اختیار میں ہو۔ مگر وہ (سستی یا پست ہمتی۔ یا بے سروسامانی کے سبب سے نہیں بلکہ) اپنی فیاضی یا رحمدلی یا ہمدردی کی وجہ سے صبر کرتا ہے۔

اور وہ اسباب دوسروں کو دیدیتا ہے۔ یہ صبر سب سے زیادہ مشکل اور سب سے زیادہ محمود ہے۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں تو چار و ناچار صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور تھوڑا بہت رو دھو کر سب ہی صبر کر لیتے ہیں۔ مگر یہ آخر الذکر صورت خود اختیاری ہے۔ اور اسکے لئے بڑے ضبط نفس کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ ظاہر بین شخص کے لئے یہ نہایت ہی عجیب ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات حسنہ میں تغیر حالات نے ذرا بھی فرق پیدا نہیں کیا۔ مکہ معظمہ میں آپ جس طرح کفار کی ایذا پر صابر و شاکر رہے۔ مدینہ منورہ میں ویسے ہی آپ خود اپنے نفس پر ضابط اور قادر رہے۔ صرف صبر کی نوعیت کسی قدر بدل گئی۔ یہاں باوجودیکہ اللہ تعالےٰ نے آپکو ہر طرح کامیاب اور مقتدر بنا دیا۔ مگر پھر بھی آپ کی جو طرز معاشرت تھی۔ وہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے آپ کے صبر اور ضبط کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کتنی بڑی بات ہے کہ ایک بااختیار مَیں اور ایک ہر دل عزیز رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی جان نثار اتباع اور سرفروش اصحاب میں بعض لکھ پتی لوگ بھی شامل ہوں۔ جو اس کے اشارۂ ابرو پر اپنی دولت۔ اپنا گھر بار اور اپنی جان تک قربان کرنے کو سعادت دارین جانتے ہوں۔ اس پر دو دو دن کے فاقے گزریں۔ محض اس وجہ سے کہ اس نے جو کچھ آیا۔ وہ مسکینوں کی دستگیری۔ اور محتاجوں کی کاربراری میں صرف کر دیا۔ کیا یہ صبر محمود کی بہترین مثال نہیں ہے۔ اور کیا آپ کی زندگی ایسی مثالوں کا ایک مسلسل تذکرہ نہیں ہے۔ یقیناً اس سے متعصب شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

سوید بن نعمان کہتے ہیں کہ "میں جنگ خیبر میں آپ کے ہمرکاب تھا۔ جب آپ خیبر کے قریب مقام صہبا میں پہنچے تو آپ نے عصر کی نماز پڑھ کر کھانا مانگا۔ وہاں ستو کے سوا اور کچھ بھی موجود نہ تھا۔ چنانچہ وہی لایا گیا۔ ہم سب نے اسی کو گوندھ گاندھ کر کھا لیا۔ اور اس کا پانی پی لیا۔ پھر جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے

گلی کی۔ پھر ہمنے نماز پڑہی" بخاری ص۱۲ھ)

جابرؓ کہتے ہین کہ "غزوۂ خندق کے موقع پر ہم لوگ کھائی کھود رہے تھے۔ کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر آگیا۔ سب آپکی خدمت مین آئے اور حال عرض کیا۔ آپ خود اس مین اترنے کے لئے تیار ہوگئے۔ حالانکہ اسوقت شدت گرسنگی سے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ کیونکہ وہان ہم کو تین دن سے کچھ کھانے کو نہین ملا تھا۔ چنانچہ آپ نے کدال لیکر اس پتھر کو توڑنا شروع کیا۔ یہان تک کہ وہ ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہوگیا۔ پھر مین اجازت لیکر گھر آیا۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ "مین نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وہ حالت دیکھی ہے کہ صبر کی تاب نہین ہے۔ کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے"۔ اس نے کہا "ہمارے یہان کچھ جو اور ایک بکری کا بچہ ہے"۔ مینے اسے ذبح کرکے پکانے کیلئے دیگچی مین رکہا۔ اس نے جو پیسے۔ پھر مین آپکی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا کہ "یارسول اللہ۔ میرے پاس کچھ تھوڑا سا کھانا ہے۔ قدم رنجہ فرمائیے۔ اور ایک دو آدمیون کو اور لئے چلئے"۔ آپنے پوچھا کہ "کتنا کھانا ہے"۔ مینے کیفیت عرض کی۔ آپنے فرمایا کہ "بہت ہے۔ اور بہت اچھا ہے۔ تم اپنی بیوی سے کہدو کہ جبتک مین نہ آؤن تب تک دیگچی کو چولھے پر سے اور روٹی کو تنور مین سے نہ نکالے"۔ پھر آپ سب مہاجرین کو لیکر چلے۔ یہ دیکھکر مجھے بہت فکر ہوا اور مینے اپنی بیوی سے آکر کہا "ارے کمبخت جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب مہاجرین وانصار کو لیکر آگئے"۔ اسنے کہا کہ کیا آپنے تم سے حال پوچھ لیا تھا"۔ مینے کہا "ہان"۔ اتنے مین آپ بھی تشریف لے آئے۔ اور آپ نے لوگون سے کہا کہ "آؤ مگر ہجوم مت کرو"۔ پھر آپ نے روٹیان نکال کر اسپر گوشت رکھنا اور اصحاب مین تقسیم کرنا شروع کیا۔ یہانتک کہ وہ سب سیر ہوگئے۔ اور پھر بھی کھانا باقی رہ گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کھاؤ۔ اور اور لوگون کو دو۔ کیونکہ وہ بھوکے ہین" (بخاری ص۵۸۸ھ)

اس ایک واقعہ سے آپکے کتنے خصائل حمیدہ پر روشنی پڑتی ہے۔ آپکی سادگی اور بےتکلفی۔ آپ کی محنت۔ اور جفاکشی۔ آپکا صبر و ثبات۔ آپکا استقلال و استقامت۔ آپکا انصاف اور

مساوات۔ یہ ایک واقعہ آپکی ان صفات حسنہ کا آئینہ ہے۔ اور یہ اپنی نوعیت مین کچھ انوکھا واقعہ نہین ہے۔ ایسے موقعے اکثر پیش آتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ انسؓ بیان کرتے ہین کہ "ایک دن ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ "جناب رسول اللہ کی آواز سے ضعف پایا جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے کچھ کھایا نہین۔ کیا تمہارے پاس کچھ ہے"۔ انہون نے جَو کی کچھ ٹکیان نکالین۔ اور ان کو اپنی اوڑھنی مین لپیٹ کر مجھے دین۔ اور مجھے خدمت اقدس مین روانہ کیا۔ مین پہنچا تو آپ مسجد مین تشریف فرما تھے۔ اور بہت سے آدمی حاضر تھے۔ مین چپ چاپ کھڑا رہا۔ آپنے مجھے کھڑا دیکھکر پوچھا کہ "کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے"؟

مین۔ "جی ہان"

آپ۔ "کھانے کے لئے"۔

مین۔ "جی ہان"۔ یہ سنکر آپ نے سب لوگون کو ساتھ لیا اور چلے۔ مین آگے آگے بھاگتا ہوا گھر آیا۔ اور حال کہا۔ ابوطلحہ اور ام سلیم کو اس سے تردد ہوا۔ کیونکہ کھانا زیادہ نہ تھا۔ مگر انکو آپکی ہر بات پر پورا اعتبار تھا۔ ابوطلحہ نے باہر نکلکر آپ کا استقبال کیا۔ آپ اندر تشریف لائے اور ام سلیم سے کہا "یا ام سلیم۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ لاؤ"۔ وہ وہی روٹیان لے آئین۔ اور ایک کپا تھا اس مین سے کچھ نچوڑا۔ آپ نے اس سے روٹی لگائی۔ اور دس دس آدمیون کو بلاکر کھانا کھلا دیا۔ یہانتک کہ سب کا پیٹ بھر گیا"۔ (بخاری ص۸۱۹)

یہ واقعات اس زمانے کے ہین۔ جبکہ خدا نے اپنی قدرت اور مہربانی سے دولت دنیا کو آپ کے قدمون پر ڈالدیا تھا۔ مگر اس سے آپکی طبیعت مین ذرا بھی فرق نہین آیا تھا۔ آپ جیسے مصائب آسمانی پر صابر تھے ویسے ہی کفار قریش کی جور و جفا پر بھی صابر و شاکر رہے۔ اور ویسے ہی مدینے مین رئیس قوم ہونے کے بعد بھی صابر و ضابط رہے۔ یون تو کوئی وقت کوئی لمحہ۔ کوئی ثانیہ ایسا گذرتا ہی نہ تھا۔ جب آپکا دل یاد الٰہی سے غافل ہوتا ہو۔ لیکن آپ اپنے اس تقرب و معرفت کے باوجود بھی محض ذکر قلبی پر قانع نہ تھے۔ اور ان شدائد

ظاہری پر بھی آپکی عبادت گزاری کا یہ عالم تھا کہ کثرت قیام و شب بیداری سے آپکے پاؤن ورم کر آتے تھے۔ مگر جب آپ سے کہا گیا کہ "آپ تو محبوب خدا اور رسول اللہ ہین۔ آپکو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے" تو آپ نے فرمایا کہ "تو کیا مین بندۂ شکر گزار نہ ہون" (بخاری ص۱۵۲) یعنی یہ درست ہے کہ مجھپر منعم حقیقی کے بے شمار احسان و انعام ہین۔ لیکن یہ خوبی اس بات کے مستلزم ہین کہ اس کا اور زیادہ شکر ادا کیا جائے۔ نہ یہ کہ اُس کے لطف و کرم کے بھروسے پر اسے بھلا دین اور اس سے غافل ہو جائین۔ سبحان اللہ کتنا معقول اور پاکیزہ جواب ہے۔ اور اگر خدا ہدایت دے تو آنجناب کی یہ ایک بات ہی ساری دنیا کی اصلاح کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر واے برحال ماکہ ہم آپکو اپنا ہادی اور مقتدا جانتے ہین۔ مگر جو حالت ہے وہ محتاج بیان نہین۔

سخاوت

فضائل انسانی مین دوسرون کی نفع رسانی کے لحاظ سے سخاوت کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ علی العموم عوام کو جتنا عملی فائدہ بظاہر اس سے پہنچتا ہے۔ اتنا اور کسی سے نہین پہنچتا۔ سخاوت کے لئے یہی ضرور نہین کہ آدمی دولتمند ہی ہو۔ اور ہزارون لاکھون روپیہ خیرات کر سکے۔ نہین بلکہ سچی سخاوت اور فیاضی یہ ہے کہ آدمی اپنے مقدور بھر دوسرون کو فائدہ پہنچانے مین دریغ نہ کرے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے جو نعمتین اس کو عطا فرمائی ہین۔ اُن مین مستحقین کو شریک کرنے مین بخل اور خسّت سے کام نہ لے۔ اسکے لئے دولت کی اتنی ضرورت نہین جسقدر نیک دلی کی حاجت ہے۔ کیونکہ یقیناً وہ غریب آدمی جو اپنا پیٹ کاٹکر کسی بھوکے کو اپنی روکھی سوکھی روٹی مین سے ایک ٹکڑا دیدیتا ہے۔ اس کروڑپتی سے بدرجہا زیادہ قابل ستائش اور مستحق آفرین ہے۔ جو اپنی بیحد و حساب دولت مین سے چند لاکھ روپیہ خیراتی کامون یا قومی چندون مین خرچ کر دیتا ہے۔ نہین اگر یہ شخص اپنی

ساری کی ساری دولت بھی خیرات کردے۔ پھر بھی بمشکل اس غریب کے برابر ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس کی یہ سخاوت نمود و نمائش کے شائبہ سے پاک ہو۔ تب بھی دنیا مین اس کی اس فیاضی اور فراخ حوصلگی کا غلغلہ۔ اور اس کے ابنائے قوم کا اس کی داد و دہش پر شکر و امتنان ہی اس کی جود و عطا کا کافی معاوضہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ مین وہ غریب آدمی غالباً خود بھی اپنی فیاضی کو بھول جاتا ہے۔ اور اس بھوکے کو بھی اسکا احسان یاد نہین رہتا۔ اور دنیا کو تو اس عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی کی خبر تک بھی نہین ہوتی۔

دولت دنیا کے لحاظ سے جناب سرور کائینات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کا مقابلہ قیصر اور یورپ کی قارون شوکت فیاضون۔ اور شداد حشمت فیاضون سے نہین کیا جا سکتا۔ لیکن جس حقیقی جود و سخا کے واقعات آپکی روزمرہ کی زندگی مین ایسی کثرت سے پیش آتے تھے۔ کہ کسی کو انکا خیال تک نہ رہتا تھا۔ اس کی مثال ملنا آسان نہین ہے۔ آپکی طبیعت کی فیاضی کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بروایت جابر بن عبداللہ رض کبھی زبان فیض ترجمان سے کسی سائل کے لئے بھی "نہین" نہین نکلا۔ (صحیحین از مشکوٰۃ ص۵۱۲) اور بقول انس رض آپ نے کبھی کسی چیز کو آئندہ کے لئے ذخیرہ کرکے نہین رکھا (مشکوٰۃ ص۵۱۳) یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے آپ سے بکریان مانگین۔ اور وہ اتنی تعین کہ دو پہاڑیون کا درمیانی میدان ان سے بھرا ہوا تھا۔ تو آپ نے وہ سب اسے دیدین۔ یہ شخص اپنی قوم مین جاکر کہنے لگا کہ "اے قوم اسلام لے آؤ۔ کیونکہ خدا کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اسقدر دیتا ہے کہ فقر کا خوف نہین رہتا" (مشکوٰۃ ص۵۱۳)

جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ جب ہم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جنگ حنین سے واپس آرہے تھے تو ایک جگہ چند بدوی آپ سے مانگتے مانگتے لپٹ پڑے یہانتک کہ آپکو ایک ببول کے درخت تک دھکیلتے ہوئے لے گئے۔ اور اس کشمکش مین آپکی چادر اُسکے کانٹون مین اُلجھ گئی۔ آپ نے وہان رک کر اُنسے فرمایا کہ "میری

چادر تو مجھے دیدو۔ اگر میرے پاس جنگل کے ان درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو مین سب تم مین بانٹ دیتا۔ اور تم مجھے نہ تو بخیل پاتے۔ اور نہ جھوٹا۔ اور نہ ڈرپوک (کہ خواہ نخواہ کسی چیز کے دینے مین دریغ کرون۔ یا ایفائے وعدہ نکرون یا فقر و فاقہ سے ڈرکر اپنے لئے کچھ بچا رکھون) (بخاری ص۳۹۶)

ابو سعید الخدری رضؓ کہتے ہین کہ "ایک دفعہ انصار مین کچھ لوگون نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے انکو دیدیا۔ اُنہون نے اور مانگا۔ آپ نے انکو اور دیدیا۔ یہانتک کہ آپکے پاس جو کچھ تھا سب دے ڈالا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "میرے پاس جو کچھ مال آتا ہے مین اُسے تم لوگون سے بچا کر جمع نہین کر رکھتا۔ اور بلاشبہ جو شخص اللہ سے یہ مانگتا ہے کہ وہ اسے سوال کی ذلت سے بچائے۔ اللہ اُسے اس سے بچا لیتا ہے۔ اور جو استغنا چاہتا ہے۔ اللہ اسے غنی کر دیتا ہے۔ اور جو شخص صبر اختیار کرتا ہے۔ اللہ اُسے صابر بنا دیتا ہے۔ اور کسی شخص کو عطایائے الٰہی مین سے کوئی عطیہ صبر سے زیادہ اچھا نہین دیا گیا۔ (بخاری ص۱۹۰) یعنی صبر خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

ایسے ہی حکیم بن حزام کہتے ہین کہ "مینے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے مجھے دیا۔ پھر مینے اور مانگا۔ آپ نے اور دیا۔ پھر آپ نے فرمایا "یا حکیم بیشک یہ مال پاکیزہ اور پسندیدہ ہے۔ جو کوئی اسے بلا حرص ضرورت کے لے لیتا ہے۔ تو اس مین برکت ہوتی ہے۔ اور جو کوئی اسے لالچ سے لیتا ہے۔ تو اس مین برکت نہین ہوتی اور اس کی حالت اس شخص کی سی ہوتی ہے۔ جو کھاتا ہے۔ مگر سیر نہین ہوتا۔ اور بیشک دست بلند (دینے والا) دست پست (لینے والے) سے بہتر ہے" مینے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ۔ بخدا کہ مین آپکے سوا مرتے دم تک کبھی کسی سے کچھ نہ مانگونگا" چنانچہ روایت ہے کہ آپکی وفات کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اپنے اپنے عہد خلافت مین حکیم کو کچھ دینا چاہا۔ مگر اُنہون نے قبول نہ کیا۔ اور برابر اپنے قول پر

ثابت قدم رہے (بخاری ص۳۸۴)

آپ کی جود و عطا کے ایسے واقعات جتنے چاہیں جمع کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے ابر کرم کی گہربار کسی موسم اور موقع کی منتظر نہیں رہتی تھی۔ بلکہ وہ فیاض ازل کی بخشش کی ایک مثال تھی۔ کہ ہمیشہ ہر حال میں جاری رہتی تھی۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا کہ "اگر میرے پاس کوہ اُحد کی برابر سونا ہو تب بھی مجھے خوشی اسی وقت ہو کہ میں تین دن گزرنے سے پہلے ہی وہ سب بانٹ دوں اور میرے پاس سوائے اسکے جو میں ادائے قرض کے لئے اٹھا رکھوں۔ اور کچھ باقی نہ رہے" (بخاری ص۳۲۱)

یہ محض آپکی تمنا ہی نہ تھی۔ بلکہ خدا نے اسے کئی بار کر دکھایا۔ اور جو کچھ آپکی زبان صدق بیان سے نکلا تھا۔ وہ بارہا عملاً پورا ہو گیا۔ آپ کے پاس بڑی بڑی رقمیں آئیں۔ مگر اکثر جب آپ وہاں سے اُٹھے تو خالی ہاتھ اُٹھے۔ چنانچہ ایک دن عامل بحرین نے آپکی خدمت میں لیکر آیا کہ دس ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے شام ہوتے ہوتے وہ سب دیدیئے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس نوے ہزار درہم آئے۔ آپ نے انکو چٹائی پر رکھدیا۔ اور جو سائل آیا۔ اسے دیتے گئے یہانتک کہ وہ سب تقسیم ہو گئے۔ (شفا ص۵۰)

آپکی بے انتہا سیرچشمی اور فیاضی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعض وقت جب آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور کوئی حاجتمند آجاتا تھا۔ تو آپ کو قرض تک لیکر اس کی حاجت روائی میں تامل نہ ہوتا تھا۔ اور بالعموم آپ پر اسی قسم کا قرض تھا۔ ورنہ آپ اپنی ذاتی ضرورتوں کو قرض لیکر پورا کرنے سے بالکل بے نیاز تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں کچھ مانگنے کے لئے حاضر ہوا۔ اسوقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپنے فرمایا کہ "اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر جاؤ تم میری ذمہ داری پر چیزیں خریدو۔ جب ہمارے پاس کچھ آئیگا تو ہم اس کی قیمت ادا کر دینگے"۔ اسپر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

نے کہا کہ "یارسول اللہ۔ اللہ نے آپکو ان باتون کی تکلیف نہین دی جو آپکی استطاعت سے باہر ہین" آپکا مطلب یہ تھا کہ اس طرح دوسرون کے لئے خود قرض کا بار اٹھانا۔ اور پھر قرضخواہون کی باتین سُننا کیا ضرور ہے۔ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا ہے وہ تو آپ دے ہی دیتے ہین۔ پھر ایسا کیون کیا جائے۔ آپکو انکی یہ بات کچھ ناپسند ہوئی۔ کیونکہ آپکی بندہ نوازی کسی کی دشکنی کو گوارا نہین کرتی تھی۔ مگر آپ ساکت رہے۔ کہ وہین سے انصارین سے کسی نے کہا "یارسول اللہ۔ آپ تو دیجئے۔ اور اللہ سے افلاس کا خوف نہ کیجئے" یہ آپ یہ توکل اور کشادہ دلی کی بات سنکر مسکرانے لگے۔ اور آپکی بشاشت بشرے سے ظاہر ہوگئی۔ (شفا ص۵)

یہان یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ آپ کا یہ جود بیجا کبھی نہین ہوتا تھا۔ اول تو علی العموم تمام مسلمان تھے ہی غریب اور نادار کیونکہ مہاجرین کا تو تمام سامان معیشت مکہ ہی مین رہ گیا تھا۔ اور وہ مشکل جان بچاکر وہان سے نکلے تھے۔ رہے انصار تو وہ بھی کچھ زیادہ متمول نہ تھے۔ کیونکہ جہان یہود یون کی سی سود خوار تجارت پیشہ قوم ہوگی۔ وہان کوئی اور قوم کیا دولتمند ہوسکتی ہے۔ اسکے سوا اول تو عرب کی حمیت اور شرافت اُسپر آپکی صحبت روح پرور کی برکت اور سعادت۔ وہان ایسا کوئی بھی نہ تھا۔ جو بلا وجہہ اور بے ضرورت زمرۂ سائلین مین شامل ہونے کا عار گوارا کرتا۔ یہ بھی تھا کہ وہان آپس مین ایک دوسرے کی حالت تو مخفی تھی ہی نہین۔ اسلئے آپ کے پاس ضرورت مند ہی آتے تھے۔ اور آپ انکی بے دریغ اعانت و دستگیری فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ (بخاری)	بیشک مین تو خزانچی بانٹنے والا ہون۔ اور اللہ ہی دیتا ہے

آپ تو کبھی اپنے جود و عطا پر تشکر و امتنان کے متوقع ہوتے ہی نہ تھے۔ لیکن چونکہ بہرحال سوال تو مکروہ ہی ہے۔ اور سائل کو خواہ نخواہ گردن جھکانی ہی پڑتی ہے۔ اور

بالخصوص غیور شخص کو تو اس سے بہت ہی شرم آتی ہے۔ اسلئے بسا اوقات آپکی طبع کریم اپنے بچنے کی کوئی ایسی صورت نکال لیتی تھی۔ جس مین احسان کا بار بظاہر کچھ ہلکا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپ اکثر ایسا کیا کرتے تھے کہ کسی سے کوئی چیز خرید فرمالی۔ اور پھر وہی چیز اسے ہدیۃً دیدی۔ یہ محض آپکا حسن عطا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس سے فی الواقع احسان مین کچھ کمی نہین ہوتی

جابر بن عبداللہ کہتے ہین کہ "مین ایک غزوے مین آپ کے ساتھ تھا۔ میرا اونٹ تھککر پیچھے رہ گیا۔ اتنے مین آپ آگئے۔ آپ نے پوچھا کہ "کیون جابر کیا حال ہے" مینے عرض کیا کہ "میرا اونٹ تھک گیا ہے" آپ نے میرے اونٹ کے ایک تسمہ مارا۔ تو وہ خوب تیز چلنے لگا۔ پھر ہم دونو باتین کرتے ہوئے چلے۔ پھر آپ نے مجھسے پوچھا کہ "کیا تم یہ اونٹ بیچتے ہو" مینے کہا "ہان" آپ نے مجھسے وہ خرید لیا۔ پھر آپ آگے تشریف لے آئے۔ اور مین ذرا دن چڑھے پہنچا۔ مینے اونٹ مسجد کے دروازہ پر باندھ دیا۔ آپ نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ "تم اب آئے ہو" مینے عرض کیا کہ "ہان یارسول اللہ" آپ نے فرمایا کہ "اونٹ کو چھوڑ دو اور مسجد مین آکر دو رکعت نماز پڑھو" جب مین نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے بلال رض کو حکم دیا کہ "اونٹ کی قیمت ادا کردین" مین قیمت لیکر چلا۔ تو آپ نے مجھے پھر بلایا۔ مین ڈرا کہ میرا اونٹ واپس کردیا جائیگا اور وہ مجھے نہایت ہی ناپسند تھا۔ مگر مین آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "اونٹ بھی لیجاؤ۔ اور اس کی قیمت تمہاری ہو ہی چکی۔ اسے بھی رہنے دو" (بخاری ص۲۸۲)

ایسا ہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ ابن عمر رض کہتے ہین کہ "ہم ایک سفر مین ہمرکاب تھے۔ اور مین حضرت عمرؓ کے ایک نوجوان اونٹ پر سوار تھا۔ وہ مجھسے رکتا نہین تھا۔ اور سب کے آگے ہو ہو جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ مجھے ڈانٹتے تھے۔ اور بار بار پیچھے ہٹا دیتے تھے۔ مگر اونٹ کسی طرح مانتا ہی نہ تھا۔ آپ نے دیکھا تو حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ "یا عمر۔ تم اسے بیچتے ہو" اُنہون نے کہا "یارسول اللہ۔ یہ آپ ہی کا ہے" آپ نے فرمایا "نہین تم میرے ہاتھ بیچ دو" یہ حضرت عمر نے اسے بیچ دیا۔ آپ نے وہ وہین مجھے دیدیا۔ اور فرمایا کہ

"یا عبداللہ۔ یہ اونٹ تمہارا ہے۔ اب جو تمہارا جی چاہے کرو" (بخاری)

سبحان اللہ۔ بخشش کا کتنا پاکیزہ اسلوب ہے۔ اس حسن عطا سے عطیہ کی قیمت کم ہونے کے بجائے صد چند بڑھ جاتی ہے۔ یہ ہے سچی سخاوت ورنہ۔ ع

در تلاش نام سیم وزرفشاندن جو دنیست

آپکی انتہائے سخاوت کی مثال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت ہے کہ "جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض موت مین مبتلا تھے۔ تو آپکے پاس کچھ دینار آئے۔ آپ نے سب اسی وقت تقسیم فرما دیے۔ صرف چھ باقی رہ گئے۔ وہ آپ نے بعض امہات المومنین کو دیدیئے۔ مگر آپ کو نیند نہ آئی۔ یہانتک کہ آپ نے پوچھا کہ" مینے وہ چھ دینار کیا کئے" آپ سے کہا گیا کہ آپ نے فلان فلان ازواج مطہرات کو دیدیئے۔ آپ نے فوراً وہ دینار اُنکے پاس سے منگوا کر سب تقسیم کر دیئے۔ اسکے بعد آپ نے بہ اطمینان استراحت فرمائی۔ (طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی)

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عام مسلمانون کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ عام طور پر کوئی شخص ایسے توکل کا متحمل نہین ہو سکتا۔ یہ آپکی خصوصیت تھی اسی لئے کلام پاک مین صریح طور پر یہ حکم فرما دیا گیا ہے کہ

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ○ (بنی اسرائیل ع)	اور نہ اپنے ہاتھ کو بالکل اپنی گردن سے باندھ لے۔ نہ ایسے بالکل پھیلا دے کہ پھر حسرت زدہ ہو کر بیٹھے۔ اور سب تجھے برا کہین اور ملامت کرین۔

ایثار اور حسن سلوک

ایثار بھی سخاوت ہی کی ایک صورت ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ سخاوت کے مفہوم مین عملاً کسی کو کچھ دینا پایا جاتا ہے۔ اور ایثار کے لئے اسکی ضرورت نہین بلکہ جہان کہین آدمی کسی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے اور اسکے حق کو اپنے نفس پر مقدم سمجھے۔ وہین ایثار ہوگا۔ اگرچہ عملاً اُس نے کسی کو کچھ بھی نہ دیا ہو۔ مثلاً ایک خواستگار ملازمت یہ دیکھکر اپنی درخواست واپس لیتا ہے کہ ایک اور امیدوار اس سے زیادہ اس خدمت کا اہل اور حاجتمند ہے۔ تو بلاشبہ یہ اس کا ایثار ہوگا۔ گو یہ فعل سخاوت کے ضمن مین نہین آتا۔ ایثار کو سخاوت پر اس وجہ سے ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کہ سخاوت مین اس بات کا امکان ہے کہ معطی کی ذات پر اسکا کچھ اثر نہ پڑے۔ لیکن ایثار تب ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ اپنے جائز حقوق اور بجا خواہشات کو دبا کر اسنے غیرون کو مستفید کیا جائے۔

جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی زندگی کا اصل اصول ہی ایثار تھا کیونکہ آپکا سب سے بڑا کام یعنی دعوے نبوت تھا ہی اس بات کا مستلزم کہ آپ اپنے تمام اسباب آسائش اور سامان راحت سے دست بردار ہوکر ہر قسم کی دنیوی مصلحتون اور ظاہری منفعتون کو اپنی قوم اور ملک اور نوع کی دائمی اصلاح اور ابدی بہبودی پر نثار کردین۔ یہانتک کہ جب آپکو وعظ و نصیحت سے باز رکھنے کے لئے اہل قریش نے دولت و حشمت کی لالچ دینی چاہی۔ تو آپ نے اس سے قطعاً انکار کردیا۔ اور اپنی نوع کی بہتری کیلئے اپنی ذات پر دنیا بھر کی تکلیفین گوارا کرنے مین ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اس سے بڑھکر اور ایثار کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن اس ایک عام مثال کے علاوہ بھی آپ کے ایثار کے واقعات بکثرت ملتے ہین چنانچہ سہیل سے روایت ہے کہ ایک عورت جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات

کے پاس ایک بُنی ہو چادر لائی۔ جس کی خوبصورت کور تھی۔ اس نے کہا کہ "پہننے لئے اپنے ہاتھ سے بُنا ہے۔ اور مین اسے خود لیکر آئی ہون تاکہ آپکو پہناؤن" آپ کو اسوقت چادر کی ضرورت بھی تھی۔ اور یون بھی آپ کبھی کوئی حقیر سے حقیر ہدیہ بھی رَد نہ کرتے تھے چنانچہ آپ نے وہ چادر لے لی۔ اور آپ اسی کو تہبند کے طور پر باندھ کر باہر تشریف لائے۔ ایک شخص نے اس کی بہت تعریف کی۔ اور آپ سے وہ چادر مانگی۔ آپ نے فوراً اس کے حوالے کر دی۔ اور لوگون نے اسپر اسے بہت قائل کیا اور کہا کہ: "تو نے بہت بُرا کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی سخت ضرورت تھی۔ اسلئے آپ نے اسے زیب تن فرمایا تھا تو نے اسے مانگ لیا حالانکہ تو جانتا تھا کہ آپ کبھی انکار نہین فرماتے" اس نے کہا کہ: "خدا گواہ ہے کہ مینے پہننے کے لئے نہین مانگی۔ بلکہ اسلئے لی ہے کہ یہ میرا کفن ہو" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (بخاری ص۱۷۰)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہین کہ "ایک شخص آپکی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مین بھوکا ہون" آپ نے اپنے اہلبیت کے ہان دریافت کرایا۔ تو معلوم ہوا کہ کسی کے ہان کچھ نہین ہے۔ اسپر آپ نے کہا کہ "کیا کوئی ہے جو اس شخص کو آج کی رات مہمان رکھے۔ اور اللہ کی رحمت کا مستحق ہو" یہ سنکر انصار مین سے ایک شخص اُٹھا اور اُسنے کہا "یارسولؐ اللہ۔ مین حاضر ہون" چنانچہ وہ اس کو ساتھ لیکر اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہمان بھیجا ہے۔ تو تو کچھ اُٹھا نہ رکھ اور جو کچھ ہو اسکے لئے لے آ" اُسنے کہا "خدا جانتا ہے کہ میرے پاس تو بچون کے شام کے کھانے کے سوا اور کچھ بھی نہین ہے" اس نے کہا "کچھ مضائقہ نہین بچے کھانا مانگین تو تو اُنکو تھپک تھپک کے سُلا دینا۔ آجل چراغ گل کردین اور آج رات خالی پیٹ ہی سو رہین" چنانچہ انہون نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن جب وہ شخص خدمت اقدس مین حاضر ہوا تو آپ نے خوشنودی خداوندی کی خوشخبری سنائی۔ اور اسپر یہ آیت شریف نازل ہوئی (بخاری ص۵۳۵)

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر ع) | اور وہ لوگ مہاجرین کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے ہیں۔ خواہ خود ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ اکبر تعجب ہوتا ہے کہ چند روزہ صحبت با برکت نبوی نے بادیہ نشینان عرب کی طبائع کو کسقدر ایثار و احسان کا ذوق شناس بنا دیا تھا۔ کہ ان کو اپنا اور اپنے لخت جگر۔ نور نظر بچوں کا بھوکا رکھنا ایک مہمان کی خاطر شکنی سے بہت زیادہ خوش گوارا تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ اس کی کوئی نظیر دکھا سکتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہمنے بچپن میں سر فلپ سڈنی کا قصہ پڑھا تھا جس میں بڑی شد و مد سے اس کی اس مروت اور انسانیت کی تعریف کی گئی ہے۔ کہ اسنے زٹفن کے میدان میں زخمی ہو کر پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو اسی وقت ایک تشنہ لب سپاہی نے پانی دیکھکر اس کی آرزو کی۔ سر فلپ سڈنی نے خود پانی نہیں پیا۔ اور وہ پیالہ اس زخمی کو دیدیا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ ایثار نہایت قابل تعریف اور مستحق ستائش ہے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں جنگ یرموک کا یہ واقعہ بھی داد طلب ہے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ "جنگ یرموک میں میرے چچازاد بھائی زخمی ہوکر گرے تو میں تھوڑا سا پانی لیکر ان کو تلاش کرنے چلا تاکہ انکو پلا دوں۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ان کو پایا تو اُن کی آخری حالت دیکھی میں نے اشارے سے دریافت کیا کہ "پانی پلاؤں" انہوں نے کہا "ہاں" میں پلانے ہی کو تھا۔ کہ قریب سے آہ کی آواز آئی۔ میرے بھائی نے اشارے سے کہا کہ "پہلے انھیں پلاؤ"، میں اُدھر گیا تو دیکھا کہ ہشام بن العاص مجروح پڑے ہیں۔ میںنے چاہا کہ انکو پانی پلاؤں کہ اتنے میں ایک اور طرف سے آہ کی آواز آئی۔ ہشام نے اشارے سے کہا کہ "پہلے انہیں پلاآؤ" میں وہاں گیا تو وہ اب تک جان بحق ہو چکے تھے۔ لوٹ کر ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی انتقال فرما چکے تھے۔ پھر اپنے بھائی کے پاس آیا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ (منقول از کلید القرآن ص۲۴۲ ماخذ ما ۃ الاسلام)

دونوں واقعے بالکل ایک ہی قسم کے ایثار کی مثال ہیں۔ مگر ان میں قابل لحاظ بات

یہ ہے کہ ایک واقعہ ایک قوم کے ایک بہترین فرد کا واقعہ ہے جسپر اس کی قوم کو آج تک ناز اور بجا ناز ہے۔ دوسرا واقعہ ایک ہی وقت میں ایک مختصری جماعت کے تین شخصوں میں اسی قسم کے کامل ایثار کا ثبوت دیتا ہے۔ اور پھر بھی وہ واقعہ کچھ غیر معمولی طور پر مشہور اور زبان زد نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت میں ایسے واقعات نادر الوقوع اور شاذ نہ تھے۔ بلکہ یہ خصائل اس پوری قوم میں نسبتہً عام تھے۔ ورنہ یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس موقع پر صرف وہی لوگ تشنہ کام ہو کر پانی کے لئے کراہتے۔ جنمیں اتنا اعلیٰ درجے کا ایثار موجود تھا۔ نہیں۔ حقیقت میں بات یہ تھی کہ اس وقت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن مثال نے تمام اہل اسلام کے دلوں میں وہ صفات حمیدہ پیدا کر دی تھیں۔ کہ ایثار انکا شعار بن گیا تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر سر فلپ سڈنی سے کم نہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس وقت ان کے ایسے کارنامے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر نہیں سمجھے جاتے تھے۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی کے پاس کہیں سے بھنی ہوئی سری آئی اُنہوں نے کہا کہ فلان دوست بہت محتاج ہے۔ اور وہی اسکا زیادہ مستحق ہے چنانچہ وہ سری انکے پاس بھیجدی۔ اُنہوں نے بھی یہی خیال کیا کہ فلان دوست زیادہ محتاج ہے اور سری انکے پاس بھیجدی۔ تیسرے شخص نے بھی یہی خیال کیا۔ غرض یہ سری کئی جگہ پھر پھر کر پھر اُسی پہلے شخص کے پاس آگئی (الحقوق والفرائض)

یہ حالات سنکر تعجب ہوتا ہے۔ مگر جب ہم اس اعلیٰ تعلیم کو دیکھیں جسپر یہ مبنی تھی۔ تو یہ تعجب دور ہو جاتا ہے۔ اور ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اسوۂ حسنہ نبوی کے اتباع کا نتیجہ ہونا ہی یہی چاہیے تھا۔ اور جہاں کہیں یہ نتیجہ پیدا نہ ہو وہاں یقین کر لینا چاہیے کہ اتباع سنت کا فقط نام ہی نام ہے۔ ورنہ فی الواقع جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید نہیں کیجاتی۔ آپ کے تو ایثار و احسان کی یہ حالت تھی کہ نہایت ہی خفیف اور جزئی باتوں میں بھی اسکا

خیال رکھتے تھے۔ اور اوروں کو اسکا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اس حسن مراعات کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک بار آپ کہین جنگل مین تشریف لئے جاتے تھے۔ ایک صاحب اور بھی آپکے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک جگہ کھودکر دو مسواکین نکالین۔ ایک سیدھی تھی۔ ایک ٹیڑھی آپ نے ٹیڑھی خود لی۔ اور سیدھی اس شخص کو دیدی۔ اُسنے عرض بھی کیا کہ سیدھی آپ اپنے دین مگر آپ نے نہین لی۔ اور فرمایا کہ "جو شخص کسی کی صحبت مین رہتا ہے۔ تو خواہ گھڑی بھر ہی کیون نہو۔ قیامت کے دن اس سے پوچھا جائیگا کہ حق صحبت بجالایا یا نہین" (الحقوق والفرائض)

ظاہر ہے کہ جہان اتنی اتنی سی باتون کا لحاظ رکھا جائے۔ وہان جتنا اعلیٰ درجے کا ایثار پایا جائے کم ہے۔ لیکن قابل دید یہ بات ہے کہ اس لحاظ سے ان لوگون کی کیا حالت ہے جو اتباع سنت کے دعویدار ہین۔

محبت و شفقت

دنیا مین حسن معاشرت کے قیام اور نظام تمدن کی بقا کا مدار سب سے زیادہ محبت پر ہے۔ بعینہ جس طرح تمام اجرام آسمانی کشش ثقل کے پھندے مین جکڑے ہوئے ہین۔ ویسے ہی افراد انسانی بھی محبت کے رشتے مین بندھے ہوئے ہین۔ اور خواہ مسئلہ ارتقا ان کو معرکۂ ہستی مین باہم کتنا ہی مخالف اور برسر پیکار کیون نہ بنائے۔ اور اصول افادہ ان کو آپس کے تعلقات مین کیسا ہی خود غرض اور نفس پرست کیون نہ بتائے۔ اس سے کوئی تنگ خیال سے تنگ خیال فلسفی بھی انکار نہین کرسکتا کہ دنیا کا لطف اور زندگی کا مزہ محبت ہی سے ہے۔ اور یہ محبت بھی خواہ خود غرضی ہی کی ایک خوشنما صورت کیون نہو تاہم یہ نہو تو جینا وبال ہوجائے۔ اور اس عالم رنج و محن مین حیات مستعار کے چند دن کاٹنے بھی دوبھر ہوجائین۔ کیونکہ محبت ہی کی چاشنی ہے۔ جو یہان کی تکلیفون اور مصیبتون کی تلخی کو خوشگوار بنادیتی ہے۔ اور اسپر مزہ یہ ہے کہ اصول افادہ خواہ کچھ بھی کہے۔ لیکن یہ بھی

مسلم ہے کہ محبت جسقدر شائبۂ غرض سے پاک ہو اتنی ہی زیادہ قابل تعریف ہے کیونکہ وہ جتنی بے غرضانہ ہوگی اسیقدر اسکا دائرہ اثر بھی زیادہ وسیع ہوگا۔ اور اسیقدر اسکے احباب واصحاب بھی کثیر التعداد ہونگے۔ مگر یہ کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی کچھ آسان نہین ہے۔ انسان فی الواقع اپنے ذاتی فائدون اور نفسانی خواہشون کے جال مین ایسا پابند ہوتا ہے کہ اس کی محبت کو خود غرضی پر محمول کرنا کچھ بجا اور خلاف قیاس نہین ہے۔ یہ امر واقعی ہے کہ اول تو اہل وعیال ہی کی محبت جو بالکل فطری اور طبعی سمجھی جاتی ہے وہ بھی ذاتی غرضون سے ملوث ہوتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری سے نکل کر تو دنیا مین بہت ہی کم ایسے تعلقات پائے جاتے ہین۔ جو محبت کے پاک نام کے مستحق ہون۔ اور ان سے بھی زیادہ کمیاب وہ لوگ ہین جن کے دلون پر ان تعلقات کا اثر ہو۔ یون کہنے کو اپنی قوم کے دوست اور اپنے ملک کے بہی خواہ اور اپنی نوع کے ہمدرد بہت سے ہونگے۔ مگر انکے ان مخلصانہ دعوون کی بقا جب ہی تک ہے جب تک کہ انکی محبوب قوم اور انکا پیارا وطن ان عاشقان معشوق خو کی ناز برداری کئے جاتا ہے۔ لیکن اگر کہین اتفاق سے انکے اعزاز و احترام مین کچھ فرق آئے۔ یا کوئی بات انکے خلاف مزاج ہو تو پھر انکے تمام قومی ایثار و محبت کے جذبات ہوا ہو جاتے ہین۔ اور وہ اپنی اس بے غرضانہ محبت پاشی کے لئے کوئی اور تشنہ لب ڈھونڈ لیتے ہین۔

بہرکیف ہم کو کسی سے کیا سروکار۔ ہم کو تو صرف یہ دکھانا تھا کہ محبت جسقدر زیادہ عام اور بے غرضانہ ہو۔ اتنی ہی زیادہ محمود۔ لیکن ساتھ ہی اسقدر زیادہ مشکل اور نادر الوجود بھی ہوتی ہے۔ اور ایسی محبت صرف ان ہی نفوس زکیہ مین پائی جاتی ہے جنکو محبوب حقیقی نے اصلاح وارشاد خلق کے لئے مامور فرمایا ہے۔ اور ان مین بھی اسکے مختلف درجے ہوتے ہین۔ ہمارے عقیدے کے مطابق جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات رحمۃ للعالمین ہین۔ یعنی آپ کی سچی محبت اور خالص شفقت کا دائرہ قبیلے اور شہر اور قوم اور ملک ہی تک

محدود نہین رہا۔ بلکہ تمام دنیا پر حاوی اور محیط ہوگیا۔ لیکن یہ محض عقیدہ ہی نہین ہے۔ بلکہ آپکی حیات بابرکات کا ہر ایک واقعہ اسکا شاہد ہے۔ جو تکلیفین آپکو ابتدائے وطن کے ہاتھون پہنچین انکے چند مختصر واقعات ہم آپ کے صبر و ثبات کے ضمن مین بیان کر چکے ہین اور یہان انکو دہرانے کی حاجت نہین۔ البتہ یہان ان باتون کو پیش نظر رکھکر ہم یہ پوچھتے ہین (اور مخاطب وہ لوگ ہین جو ہمارے ہم عقیدہ نہین) کہ آخر آپکو اسقدر حوصلہ فرسا قوت برداشت کے اظہار کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اہل مکہ آپ سے چاہتے ہی کیا تھے؟ یہی نا۔ کہ آپ انکو انکے حال پر چھوڑ دین۔ اور شرک و بت پرستی سے نہ روکین۔ تو پھر آپ نے ایسا ہی کیون نکیا مانا کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے۔ سچ فرماتے تھے۔ اور انہی کے فائدے کے لئے فرماتے تھے۔ لیکن جب وہ لوگ خود ہی اُسے سننا نہ چاہتے تھے تو آپ کو کیا پڑی تھی کہ خواہ نخواہ انکے لئے اپنے آپ کو اس بلا مین ڈالتے۔ اور پریشان ہوتے۔ مخالف کہتے ہین کہ آپکی یہ تمام جد و جہد صرف دولت و ثروت اور شوکت و حکومت حاصل کرنے کے لئے تھی۔ مگر یہ انکی نادانی یا کور باطنی ہے۔ یہ سب چیزین تو شیوخ مکہ خود ہی آپ کی خدمت مین پیش کرتے تھے۔ اور عالم بیکسی مین آپ کو یہ کیونکر یقین ہو سکتا تھا کہ خدا آپکو بعد مین اس سے زیادہ دولت و حکومت عطا کریگا۔ اگر ان کی تمام تگ و دو کی غایت و غرض یہی ہوتی تو اسوقت کی تنگدستی اور ناداری مین تو اہل مکہ کی پیش کردہ دولت و حکومت ہی آپ کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ اور آپکو وہی غنیمت سمجھنی چاہیے تھی۔ اس سے بھی قطع نظر کیجیے۔ اور یہ دیکھیے کہ آپنے ان باتون کو حاصل کرنے کے بعد بھی انسے ذاتی فائدہ کیا اٹھایا۔ آپکی سادہ زندگی کے واقعات ہم سن ہی چکے۔ آپ کے ایثار اور سخاوت کے حالات جسنے دیکھ ہی لے۔ تو کیا آپکو دولت دنیا کی ہوس اسی لئے تھی کہ آپ بے چھنے جو کی روٹی کھائین۔ اپنی جوتیان اپنے ہاتھون سے سیئین۔ آپ کے اہل بیت خود چکیان پیسین۔ اور فقط یہی نہین بلکہ آپ نے ہمیشہ کے لئے اپنی اولاد پر زکوٰۃ اور صدقات کو بھی حرام فرمادیا۔ حالانکہ قیاس

یہ چاہتا ہے کہ جس دولت کے حاصل کرنے مین آپ نے اتنی تکلیفین اُٹھائی تھین۔ اول تو خود ہی اس سے فائدہ اُٹھاتے۔ اور خیر اگر خود کسی وجہہ سے اسے استعمال نہ کیا تھا تو کم سے کم اپنی اولاد کو تو اس سے مستفید ہونے دیتے۔ مگر صورت حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ اور ہم جس پہلو سے چاہین غور کرین۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال آلائش ریا اور آمیزش غرض سے بالکل پاک اور مبرا ثابت ہوتے ہین بشرطیکہ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

حقیقت مین جناب سرور کائینات علیہ الصلوۃ والتحیات کی نسبت ایسی بدگمانی ہے ہی غلط اور مہمل۔ کیونکہ آپکی ساری سعی و کوشش کی وجہہ ہی تھی تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ یہ آپ کی بالکل سچی اور بے غرضانہ محبت ہی تھی۔ جو آپکو انکی مخالفتون اور ایسی مصیبتون کے باوجود بھی اصلاح بین الناس سے دست کش نہین ہونے دیتی تھی۔ اور آپ ان لوگون کی اسقدر ایذا اور آزار رسانی پر بھی انکو صداقت کی طرف بلانے اور حقیقت کا راستہ دکھانے سے باز نہین رہ سکتے تھے۔ بعینہ جس طرح ماں باپ اپنے بچون کی نافرمانبرداری اور رنج دہی پر صبر کرتے ہین۔ مگر پھر بھی انکی بھلائی اور بہتری مین کوشان رہتے ہین۔ لیکن ماں باپ کی محبت کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ اور جب عقوق حد برداشت سے گزر جاتا ہے۔ تو وہ بھی اس سے کنارہ کر جاتے ہین مگر آپکی محبت و شفقت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ لوگ جسقدر آپ سے سرکشی کرتے تھے۔ آپ اتنی ہی انکے ساتھ اور رعایت فرماتے تھے۔ وہ جسقدر آپکو تکلیف دیتے تھے۔ آپ اتنی ہی انسے اور مہربانی کرتے تھے غرض جس طرح انکی عداوت اور دشمنی بے پایان تھی۔ ویسے ہی آپ کی شفقت اور محبت غیر محدود تھی۔ اور بلاشبہ آپ اس وعدۂ صادقہ کی مجسم تصدیق تھے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ط | اور ہمنے تجھے تمام عالمون کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے

لیکن اسکے لئے بیحد طاہر اور طیب دل کی ضرورت ہے۔ اسکا کچھ اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جسنے خود کبھی اپنی محبت کو بے غرض اور مخلص بنانے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ عام طور پر انسانی طبیعت

اسکی مشکلات کا تصور بھی نہین کرسکتی۔

ظاہر ہے کہ جو شخص دشمنون تک کا دوست ہوگا وہ دوستون سے کیسی کچھ محبت نہ کرتا ہوگا۔ آپ بھی اپنے اصحاب واحباب پر بے انتہا شفیق اور مہربان تھے۔ چنانچہ اسکی مثالین ہم آپ کے حسن سلوک۔ ایثار۔ رحم۔ صبر وغیرہ مختلف اخلاق حسنہ کے ضمن مین دیکھ چکے ہین۔ اور آئندہ اور ابواب مین بھی دیکھینگے۔ بات یہ ہے کہ محبت کا اثر کسی خاص فعل مین محدود نہین ہوتا بلکہ جہان محبت ہو وہان اسکا رنگ ہر ایک بات مین نمایان ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ تعلقات انسانی مین تمام صفات حسنہ محبت ہی کی پیدا کردہ ہین۔ البتہ یہ ضروری بات ہے کہ ہر ایک کی محبت کے اظہار کی جداگانہ صورت ہوتی ہے۔ مثلاً دولتمند کی محبت سخاوت بنکر ظاہر ہوتی ہے۔ حاکم کی محبت انصاف اور حلم کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ طبیب اپنے محبوب مریض کو مفید سے مفید اور خوش ذائقہ سے خوش ذائقہ دوا بلاتا ہے۔ پیر اپنے پیارے مرید کو سب سے جلدی منازل سلوک طے کرانا چاہتا ہے۔ غرض ہر ایک کا الگ الگ رنگ ہوتا ہے۔ لیکن کامل ترین محبت وہی ہے جو ہر تعلق مین ہویدا اور ہر شان مین نمایان ہو۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا شفقت اور غیر محدود محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ اپنی امت مرحومہ پر عبادات کا بار بھی حتی الامکان بہت ہی کم ڈالنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ خود اسی خیال سے نوافل پر مداومت نہین فرماتے تھے کہ کہین لوگ ان عبادتون کو اپنے اوپر لازم نہ کرلین۔ اور یون تکلیف مالایطاق مین نہ پڑجائین۔

عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہین کہ "ایک دن آپ میرے ہان تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ "مینے سنا ہے۔ کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہو" مینے کہا جی ہان" آپ نے فرمایا ایسا نکرو۔ جاگو بھی اور سوؤ بھی۔ روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو۔ کیونکہ تمہارے اوپر

تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔ اور تمہاری آنکھوں کا بھی۔ تمہارے دوستوں اور بھائیوں کا بھی حق ہے۔ اور گھر والوں کا بھی۔" (بخاری ص۱۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ایک روز میرے پاس بنی اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے پوچھا کہ "یہ کون ہے" میں نے کہا کہ "فلاں ہے۔ اور یہ رات بھر نماز پڑھتی ہے۔ سوتی نہیں" آپ نے فرمایا "یہ چھوڑ دو تم کو وہی کام کرنے چاہئیں۔ جتنی تم طاقت رکھتی ہو۔ کیونکہ بیشک اللہ نہیں تھکتا جب تک تم نہ ملول ہو جاؤ" (بخاری ص۱۵۴)

ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور اُسنے عرض کیا کہ "میں صبح کی نماز باجماعت فلاں شخص کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ وہ بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے" یہ سنکر آپ اتنے ناراض ہوئے۔ کہ میں نے کبھی آپکو اتنا خفا نہیں دیکھا۔ اور آپ نے نصیحۃً کہا کہ "اے لوگو۔ تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو۔ جب تم نماز پڑھاؤ۔ تو اسے مختصر کرو۔ کیونکہ ان میں بیمار اور بوڑھے۔ اور حاجتمند بھی ہوتے ہیں" (بخاری ص۹۰۲) یعنی انکو تمہاری لمبی نماز سے تکلیف ہوگی۔ اور یوں وہ عبادت سے ملول ہو جائینگے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نیکی برباد گناہ لازم۔

سعد ابن وقاصؓ کہتے ہیں کہ "میں مکہ میں بیمار پڑا۔ اور میری حالت نازک ہوگئی مگر میرا اس شہر میں مرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ جہاں سے میں ہجرت کر چکا تھا۔ آپ میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ تو میں نے کہا" یا رسول اللہ میں اپنا تمام مال خیرات کرنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "نہیں" میں نے کہا "اچھا آدھا" آپ نے فرمایا "نہیں" میں نے کہا "اچھا تہائی" آپ نے فرمایا "تہائی بھی بہت ہے۔ مگر خیر۔ بیشک یہ بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو دولتمند چھوڑو بہ نسبت اسکے کہ تم انکو نادار چھوڑو" (بخاری ص۳۸۳)

لیکن آپکی شفقت مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہ تھی۔ بلکہ اس سے آپکے مشرک بھی مستفید

ہوتے تھے۔ روایت ہے کہ قبیلہ اراش کے ایک شخص نے ابوجہل کے ہاتھ ایک اونٹ بیچا۔ مگر وہ اس کی قیمت دینے مین ٹال مٹول کرتا رہا۔ وہ بیچارہ پریشان ہو کر قریش کی مجلس مین آیا۔ اور پکار پکار کر کہنے لگا "یا معشر قریش۔ مین ایک اجنبی مسافر ہون۔ اور ابوالحکم ابن ہشام (ابوجہل) نے میرا حق مار لیا ہے۔ کیا تم مین سے کوئی ایسا انصاف والا ہے۔ کہ میری دادرسی کرے۔ اور اُس سے میرا حق دلائے" جناب رسالتمآب بھی وہین ایک طرف تشریف فرما تھے۔ ان بیدردون نے اس بیچارے کی فریاد کا تو کچھ خیال نہ کیا۔ البتہ آپ کو چھیڑنے اور آپ سے استہزا کرنے کے لئے اس سے کہدیا کہ "جاؤ اُس شخص کے پاس جا کر اس سے کہو۔ وہ تمہارا حق دلا دیگا" اس غریب کو آپ کی اور ابوجہل کی باہمی مخالفت کا کچھ حال معلوم نہ تھا اسنے انکے کہنے کے مطابق آپ سے آکر کہا۔ اس کی غربت اور بیکسی پر آپکا بحر شفقت موجزن ہوا۔ آپ نے اپنے ضعف اور ابوجہل کی جہالت اور عداوت کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور فوراً اسکے ساتھ چلنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ لوگ تو یہی تماشہ دیکھنا چاہتے تھے انہون نے ایک آدمی کو آپ کے پیچھے روانہ کیا۔ کہ وہ سب ماجرا ان سے آکر کہے۔ خیر آپ نے جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُسنے پوچھا "کون" آپ نے جواب دیا "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) وہ نکلا اور آپ کو دیکھکر اسکا رنگ اڑگیا۔ آپ نے اس سے کہا "اس آدمی کا حق ادا کرو" اُسنے کہا "اچھا۔ جو کچھ اسکا آتا ہے وہ مین ابھی ادا کرتا ہون" یہ کہکر اُسنے اندر جا کر جھٹ پٹ اسکا روپیہ لا دیا۔ اور وہ شخص خوش خوش آپکا شکریہ ادا کرتا ہوا اور آپکو دعائین دیتا ہوا چلا گیا جب اور لوگون نے یہ واقعہ سنا تو انکو اس خلاف امید کارروائی پر بہت تعجب ہوا۔ مگر ابوجہل اتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ اس سے اور کچھ بن ہی نہ پڑا۔ (سیرت ابن ہشام ص۲۱۱)

مسلم اور غیر مسلم پر ہی کیا منحصر ہے۔ آپ کی شفقت تو جانورون تک کو حاوی تھی۔ ابوہریرہ رہ کہتے ہین کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ "ایک شخص جنگل مین چلا جا رہا تھا۔ اسے

بیحد پیاس لگی۔ اتفاق سے اسے ایک کنوان ملا۔ تو اسنے اس مین اتر کر پانی پیا۔ باہر آیا تو وہین ایک کتا بھی پیاسا ھانپتا کانپتا آگیا تھا۔ اور شدت تشنگی سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس آدمی کے دل مین خیال آیا کہ جیسی تکلیف پیاس سے مجھے تھی۔ ویسی ہی اسے بھی ہوگی۔ یہ خیال کرکے وہ پھر اترا۔ اور اسنے اپنے چمڑے کے موزے مین پانی بھرا۔ اور اسے دانتون سے پکڑکر اوپر لایا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کی اس رحمدلی اور ہمدردی کے انعام مین اُسے بخشدیا۔" آپکی زبان سے یہ قصہ سنکر لوگون نے پوچھا" یارسول اللہ کیا ہم کو جانورون پر رحم کرنیکا بھی اجر ملتا ہے"۔ آپ نے فرمایا" ہان"

فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ (بخاری ۔۔۔) ہر ایک ذیحیات پر شفقت و رحم کا صلہ ہے۔

یہ حالت تھی آپکی شفقت بخلق اللہ کی۔ حالانکہ جس قوم اور ملک مین آپ مبعوث ہوئے تھے۔ وہ لوگ ایسے سخت دل تھے کہ وہ اپنی اولاد کو جیتے جی زمین مین گاڑ دیتے تھے۔ اور انکو ذرا بھی رحم نہین آتا تھا۔ ع

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

عدل وانصاف

اگر ذرا غور و تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انصاف بھی محبت کی عمومیت اور اغراض نفسانی سے بریت کا نام ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جس معاملہ مین قاضی کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ نہین ہے۔ اور اسکو فریقین سے یکسان تعلق اور یکسان محبت ہے تو اس مین اسے کسی طرح کی زیادتی یا بے انصافی کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے اور جب کوئی شخص اپنے سب ابنائے نوع پر یکسان مہربان ہوگا اور اس مین کسی قسم کی نفسانیت اور خودغرضی نہ ہوگی۔ تو اسکے پورے طور پر عادل اور منصف نہ ہونے کی کوئی وجہ نہین بلاشبہ ظلم صرف اُس حالت مین کیا جاسکتا ہے جبکہ اس سے یا تو ہمارا کوئی ذاتی فائدہ ہو۔ یا بجا

دو آدمیون مین سے ایک کی طرف زیادہ میلان ہو۔ اور ہم دوسرے کے مقابل مین اسے فائدہ پہنچانا چاہتے ہون۔ مگر حس طبیعت مین یہ باتین نہین۔ اس مین بے انصافی کا خیال تک آنا محال ہے۔

ہم جناب سرور کائنات رہبر مخلوقات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی بے غرضانہ محبت اور مخلصانہ شفقت کا حال دیکھ چکے۔ اب اگر وہ واقعات سچے ہین۔ اور ہمارا استدلال درست ہے۔ تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ نہایت اعلیٰ درجہ کے منصف مزاج اور عدل پرور ہون۔ اور کبھی کسی پر آپ کے ہاتھ سے کوئی زیادتی نہ ہوئی ہو۔ اور اگر واقعات سے اس بات کی تصدیق ہو جائے۔ تو اول تو اس سے ہمارے مذکورہ بالا استدلال کی صحت پائی جائیگی۔ اور دوسرے آپکی یہ انصاف پسندی آپکے رحمۃ للعالمین ہونے کی نہایت قوی اور معقول دلیل بن جائیگی۔ آیئے دیکھین کہ آپکے حالات حیات اس بارے مین کیا کہتے ہین۔

اگرچہ ہم کو آپ کے قبل بعثت کے حالات اس تفصیل و تشریح سے نہین معلوم جیسا کہ ہمارا جاننے کو جی چاہتا ہے۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہے کہ شروع ہی سے آپکو اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے امتیاز خاص حاصل تھا۔ یہانتک کہ آپ ظاہری دولت و ثروت نہ ہونے کے باوجود بھی اکثر اختلافات قریش مین حکم بنائے جاتے تھے۔ اور اسی لئے آپکا لقب "امین" ہو گیا تھا۔

بعثت کے بعد آپکی صفات حمیدہ کے اظہار کے مواقع صد چند ہو گئے۔ اور آپکی منصف مزاجی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ یہود مدینہ بھی اپنی ذاتی خصومتون مین آپ ہی سے تصفیہ چاہتے تھے۔ حالانکہ انکو آپکی نبوت سے انکار تھا۔ تب بھی بالاتفاق آپ ہی کا فیصلہ چاہا جاتا تھا۔ اور کبھی کسی کو آپ کے انصاف پر شائبہ شبہ بھی نہین ہوا پھر یہ بھی نہ تھا کہ فقط غیرون ہی مین آپکا انصاف مسلم ہو۔ نہین۔ آپکا انصاف اتنا یقینی تھا

کہ اگر کبھی مسلمان اور غیر مسلم کا باہم جھگڑا ہو جاتا تھا۔ تب بھی موافق اور مخالف سب آپ ہی کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان بشر میں کچھ جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا "چلو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں"۔ بشر نے کہا نہیں۔ کعب بن الاشرف سردار یہود کے پاس چلیں۔ کیونکہ وہ لوگ رشوت وغیرہ لیتے تھے۔ مگر اس سے یہودی نے انکار کیا۔ اور آخر دونوں آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی حق بجانب تھا۔ آپ نے اُسی کے حق میں فیصلہ کیا۔ جب دونوں باہر نکلے تو بشر نے کہا کہ "یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا۔ چلو (حضرت) عمرؓ کے پاس چلیں"۔ اُسے یہ خیال تھا کہ انکا تعصب مذہبی انصاف پر غالب آجائے۔ یہودی آپ کے فیصلہ سے قوی دل ہو گیا تھا۔ اسنے مان لیا۔ اور دونوں حضرت عمر کے پاس آئے۔ مگر یہودی نے آتے ہی ان کو یہ سنا دیا۔ کہ معاملہ حضور سرور کائنات کے سامنے پیش ہو چکا ہے اور آپ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ مگر یہ شخص اسپر راضی نہیں ہوا۔ اور اب یہاں آیا ہے۔ حضرت عمر نے بشر سے اس کی تصدیق کی۔ اسنے بھی کہا کہ ہاں۔ صورت واقعہ یہی ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر نے کہا "تم دونوں ذرا ٹھہرو۔ میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں"۔ یہ کہکر وہ اندر گئے اور تلوار لاکر منافق بشر کی گردن اڑا دی۔ اور کہا کہ "جو شخص (مسلمان ہو کر) اللہ اور اُسکے رسول کے فیصلے کو نہیں مانتا۔ میں اسکا فیصلہ یوں کرتا ہوں"۔ اسپر اسکے ساتھ کے اور منافقوں نے بہت کچھ غل مچایا۔ مگر اللہ نے وحی سے حضرت عمر کے فعل کی تائید فرمائی۔ اور اسی دن سے انکا لقب فاروق ہو گیا۔ (تفسیر خازن النساءؑ)

فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ ثبوت جرم کے بعد آپ نے اسکا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ شرفائے قریش کو یہ عار ناگوار گذرا۔ اور انہوں نے چاہا کہ آپسے سفارش کرا کے اس عورت کو اس سزا سے بچا لیں۔ مگر بارگاہ رسالت میں عرض کرنے کی جرأت کسے تھی۔ آخر

اسامہ بن زید کو کہہ سنکر اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ آپ سے اسکے لئے سفارش کریں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ "یا اسامہ تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو" پھر آپ اُٹھے اور آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ "اے لوگو۔ تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوگئیں۔ کہ جب ان میں کوئی بڑا خاندانی شخص چوری کرتا تھا۔ تو لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا۔ تو اسے سزا دیتے تھے۔ (یعنی ایسی ناانصافیاں ہی انکی بربادی کا سبب ہوئیں) خدا گواہ ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چوری کی ہوتی۔ تو یقیناً میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری ص۶۱۶)

انصاف کی انتہا تو یہ ہے کہ لوگ ذرا ذرا سی بات میں خود آپ پر تشدد اور تقاضا کرتے تھے۔ مگر آپ اپنے حلم اور انصاف کی وجہ سے ہمیشہ انکے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کا ایک اونٹ قرض تھا۔ ایک دن وہ تقاضہ کرتا ہوا آیا۔ اور سخت سست کہنے لگا۔ اس کی ہرزہ گوئی اصحاب کرام کو بہت ناگوار ہوئی۔ اور انہوں نے اسے روکنا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ "اسے کچھ مت کہو۔ کیونکہ قرضخواہ کو تقاضہ کرنیکا حق ہے" پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک اسی کا سا اونٹ لاکر اسے دیدیں۔ اتفاق سے ویسا اونٹ موجود نہ تھا۔ لوگوں نے آکر عرض کیا کہ اس سے بہتر اونٹ موجود ہیں مگر ویسا اونٹ موجود نہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسکے اونٹ سے بہتر اونٹ دیدیا جائے اور آپ نے فرمایا کہ "تم میں سے بہتر وہی ہے۔ جو بہتر ادائگی کرے" (بخاری ص۳۰۹)

ایسے واقعات بارہا پیش آئے۔ اور گو آپ نے اس کی بابت کوئی حکم نہیں صادر فرمایا تاہم خود آپ کا دستور العمل ہمیشہ یہی رہا کہ جس کسی سے کچھ قرض لیتے تھے۔ اس کو عموماً میعاد مقررہ سے پہلے ادا کر دیتے تھے۔ اور اس کی واجب الادا جنس سے کچھ زیادہ عطا فرماتے تھے۔ یہ آپکا احسان ہوتا تھا۔ کیونکہ قرضخواہ کو اس بیش کے مانگنے کا کچھ حق نہیں ہوتا تھا۔ (ورنہ وہ تو سود ہو جاتا) لیکن آپ اسی کو اس لحاظ سے انصاف سمجھتے تھے کہ قرضخواہ کو

اپنی چیز کے فائدے سے اتنے دن تک محروم رہنے کی تلافی ہو جائے۔ مسلمان جو اسوقت بدقسمتی سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ نادہند اور بدمعاملہ سمجھے جاتے ہیں۔ اگر آپکی صرف اسی ایک سنت کی پیروی کریں۔ تو انکے مباحث قومی میں سے مسئلہ سود از خود غائب ہو جائے اور وہ یقیناً ناداری اور حاجتمندی کے تعزلت سے نکلکر دولت و حشمت کے اوج عزت پر پہنچ جائیں۔ کیونکہ دولت کی کنجی تجارت ہے۔ اور تجارت کا مدار ساکھ اور اعتبار پر ہے۔ جو ہم میں نہیں ہے۔ اور اسکا فقدان نتیجہ ہے۔ اسی سنت نبوی کے ترک کا۔ اگر ہم صرف ایک اس سنت پر چلتے ہوتے تو یقیناً ہم دولت اور تجارت کے مالک ہوتے۔ اور غالباً ہم کو آج اپنی ان مٹی ہوئی سلطنتوں کا ماتم بھی نہ کرنا پڑتا جنکو گردش فلک اور انقلاب لیل و نہار نے نہیں۔ بلکہ خود ہماری بداطواریوں اور بداعمالیوں نے ہمارے دست مرتعش سے لیکر ان ہاتھوں میں دیدیا۔ جن میں ہمارے حادی صادق اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے تتبع نے عنان حکومت کے تھامنے کی طاقت پیدا کر دی ہے۔ افسوس کہ کہ ہمکو کیا تعلیم دی گئی اور ہم نے اسپر کیا عمل کیا۔ افسوس کہ ہمکو کیا ہونا چاہیئے تھا۔ اور ہم کیا ہو گئے۔ ؎

کبھی خاقاں تھے کبھی قیصر و کسریٰ ہم تھے ؛ اب تو کچھ یاد نہیں یہ بھی کہ کیا کیا ہم تھے

یہاں ایک اور حدیث بھی قابل ذکر ہے۔ اور اگرچہ اس کو بظاہر اس باب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب رسالت مآب نے ہماری اس موجودہ حالت کا اب سے تیرہ سو برس پہلے کتنا صحیح اندازہ فرمایا تھا۔ اور اسی وقت ہم کو اس راستے کے خطرات سے کتنی اچھی طرح تنبہ اور آگاہ کر دیا تھا۔ جسکو ہمنے انکی ہدایت کے باوجود بھی اپنے عقوق و عصیان کی وجہ سے نہ چھوڑا۔ اور آخر اس حال زار کو پہنچے۔

روایت ہے کہ جب ابو عبیدہ بن الجراح بحرین سے جزیہ وصول کر کے لائے۔ تو انکے واپس آنے کی خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ تمام انصار صبح کی نماز میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے۔

آپ نماز کے بعد واپس چلے تو وہ پھر راستے مین آپ کے سامنے آئے۔ آپ انکو دیکھکر مسکرانے لگے۔ اور آپ نے فرمایا "شاید تمنے سُنا ہے کہ ابو عبیدہ کچھ لیکر آئے ہین" انہون نے کہا۔ "یارسول اللہ۔ ہان" آپ نے فرمایا "خوش ہو جاؤ۔ اور اس چیز کی امید رکھو جو تم کو مسرور کریگی خدا گواہ ہے کہ مجھے تمہاری تہی دستی اور عسرت سے کچھ اندیشہ نہین ہے۔ لیکن مجھے ڈر یہ ہے کہ تمہارے سامنے بھی دنیا پیش کیجائے۔ جیسے کہ تمسے پہلون کے سامنے کی گئی تھی۔ پھر وہ اس مین محو و منہمک ہوگئے۔ جیساکہ معروف ہے۔ اور پھر یہ حرص و ہوس اور عیش و عشرت تمکو بھی ہلاک کردے جیسے کہ اُس نے انکو برباد کردیا" (بخاری ص[illegible])

مسلمانون کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ اسکا ایک ایک ورق آپ کے اس ارشاد کی کیسی تصدیق کرتا ہے جسکا آپکو احتمال تھا۔ وہی ہوا۔ اور بحالات موجودہ وہی ہونا چاہئے تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی منصفت مزاجی کے ضمن مین صلح حدیبیہ کے بعض واقعات بھی قابل ذکر ہین۔ فتح مکہ سے پہلے آپ سنہ ۶ھ مین حج کے قصد سے مکے کی جانب نہضت فرما ہوئے۔ اہل مکہ کو یہ خوف ہوا کہ مبادا مکے مین آپکی تشریف آوری سے مسلمانون کی جماعت اور طاقت اور زیادہ بڑھ جائے۔ اور خود مکے کے بہت سے آدمی اسلام قبول کرلین۔ اسلئے عمائد قریش نے آپ کو راستے ہی مین روکنے کی تیاری کی۔ حدیبیہ پر دونون فریقون کا مقابلہ ہوا۔ چونکہ آپکا قصد لڑائی کا مطلق نہ تھا۔ نہ آپ اس ارادہ سے نکلے تھے اسلئے اگرچہ آپکے ہمرکاب ایکہزار مسلمان تھے مگر آپ نے جنگ پر پیشقدمی نہین کی۔ اور اہل مکہ کو یہی پیام کہلا بھیجا۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ "اگر تم نے یہ صلح و آشتی نہ مانا تو پھر مجبوراً ہم بزور شمشیر مکہ معظمہ مین داخل ہونگے۔ کیونکہ جو ارادہ ہم کرکے نکلے ہین وہ فسخ نہین ہو سکتا" اسپر قریش نے سہیل بن عمرو کو معاہدہ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ نے قریش کی تمام شرائط کو منظور فرمالیا۔ اور عہدنامہ لکھنے کے لئے کاتب کو بلایا۔ اور حکم دیا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سہیل نے کہا

"رحمٰن کو تو ہم جانتے نہین کہ کیا ہے۔ تم تو جیسے پہلے لکھا کرتے تھے۔ ویسے ہی لکھو۔ باسمک اللھم"
اسپر مسلمانون نے بگڑ کر کہا کہ "واللہ ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا اور کچھ ہرگز نہین لکھینگے"
مگر آپ نے فرمایا کہ "خیر باسمک اللھم ہی لکھدو" پھر فرمایا کہ "آگے لکھو۔ یہ ہے جو طے ہوا محمد رسول اللہ
مین اور........" سہیل نے پھر ٹوکا اور کہا "واللہ اگر ہم آپکو رسول اللہ ہی مانتے تو جھگڑا کیوں ہوتا اور کعبہ
سے روکتے ہی کیون۔ اور لڑائی ہی کیون ہوتی۔ اسلئے محمد رسول اللہ کی بجاے محمد
بن عبداللہ لکھو" آپ نے فرمایا خدا گواہ ہے کہ بلاشبہہ مین اللہ کا رسول ہون۔ لیکن خیر
اگر تم مجھے جھٹلاتے ہی ہو۔ تو محمد بن عبداللہ ہی لکھدو" (بخاری ص ۳۷۹)

غرض یون وہ معاہدہ لکھا گیا۔ اس کا باقی حصہ مین کسی دوسرے مقام پر عرض کرونگا
یہان مجھے صرف اتنا ہی دکھانا ملحوظ تھا۔ مینے اس واقعے کو انصاف کے باب مین لیا ہے
گو بظاہر اس مین عدل کی نسبت رفق کا پہلو زیادہ نکلتا ہے۔ مگر میرے خیال مین یہ واقعہ
آپ کی منصف مزاجی کا نہایت ہی نمایان ثبوت ہے۔ کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو
سب سے زیادہ مشکل بات یہی ہے کہ آدمی اپنے مخالف کے نقطۂ خیال کو قبول کرے
اور وہ بھی بالخصوص مذہبی معاملات مین۔ اگر آپ کے دل مین ذرا بھی چور ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا
کہ آپ اپنے صحابہ اور متبعین کے سامنے اپنے لقب رسول اللہ کو حذف کرنے کی اجازت
دیتے۔ کیونکہ اسی پر تو سارا دار و مدار تھا۔ لیکن آپکو اسکا اشتباہ بھی نہین ہوا۔ اور آپکی
طبعی انصاف پسندی اور معدلت گستری نے سہیل کے اعتراض کی معقولیت کو قبول کرلیا
اور معقول بات کو تسلیم کرلینے مین کبھی آپ کو کچھ تامل ہوا ہی نہین۔ یہ ہے سچی تعمیل اس
ارشاد الٰہی کی کہ

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (مائدہ ع ۶)

اور اگر تو ان غیر مسلم لوگون مین فیصلہ کرے تو انصاف سے فیصلہ کر۔ بیشک اللہ انصاف کرنیوالون کو دوست رکھتا ہے۔

تواضع اور انکسار

سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نہایت ہی سچا ہے۔

تواضع زگردن فرازان نکوست * گدا گر تواضع کند خوے اوست

تواضع عالی مرتبہ اور بلند پایہ شخص کے لئے اتنی ہی مشکل ہے۔ جسقدر ادنے مرتبے اور پست حالت کے آدمی کے واسطے خودداری اور پابندی وضع۔ لیکن جس شخص کے دل میں اپنے ابنائے نوع کی محبت ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس میں تواضع اور انکسار نہ ہو۔ کیونکہ محبت مساوات کی مستلزم ہے۔ اور مساوات میں کبر و نخوت کی گنجائش نہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی اور سب لوگوں سے محبت بھی کرے۔ ان پر شفیق بھی ہو۔ انکا ہمدرد بھی رہے۔ اور پھر اپنے آپکو انسے افضل بھی سمجھے۔ اور انسے غرور بھی کرے۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو کسی پر فضیلت ہے ہی نہیں۔ اصول فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ تو یقیناً بالکل درست ہے۔ مگر کسی کا افضل ہونا اور بات ہے اور اسکا اپنے آپ کو افضل سمجھنا دوسری بات ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ فی الواقع جو لوگ اوروں سے بہتر ہوتے ہیں وہ اپنے آپکو ایسا سمجھتے نہیں۔ اور جو اپنے آپکو اوروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ اصل میں ایسے ہوتے نہیں۔ اس سے یہ بھی نہ خیال ہونا چاہیے۔ کہ چونکہ سب برابر ہیں اسلئے حفظ مراتب کی ضرورت نہیں۔ نہیں۔ بڑے خواہ کیسے ہی متواضع اور منکسر المزاج کیوں نہ ہوں۔ چھوٹوں کو کبھی اپنی حد سے گزرنا اور سررشتہ ادب کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے۔ حقیقت میں تعلقات کی خوبی یہی ہے۔ کہ ایک طرف سے محبت و شفقت ہو۔ اور دوسری طرف سے عقیدت و اطاعت۔ ایک طرف سے تواضع و انکسار ہو۔ دوسری طرف سے ادب اور عزت۔ اسی حسن مراعات کا بہترین مرقع ہم کو جناب خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے باہمی تعلقات

مین نظر آتا ہے۔

یہ تو ہم گذشتہ بابون مین دیکھ ہی چکے ہین کہ آپ کیونکر ہر ایک کام مین اپنے صحابہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اور کسی طرح اپنے آپ کو انسے ممتاز ہونے دیتے تھے۔ لیکن اسکے علاوہ یون بھی آپ بے انتہا متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ یہان تک کہ آپ اپنے متبعین کو اس بات کی بھی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ آپکو کسی گذشتہ پیغمبر سے افضل سمجھین۔ چنانچہ آپنے فرمایا کہ "کسی کو یہ بھی نہ کہنا چاہیے کہ مین یونس بن متی سے بہتر ہون" (بخاری ص۹۰۲ ج۱) اور جس کسی نے یہ کہا کہ مین یونس بن متی سے بہتر ہون اس نے غلط کہا" (بخاری ص۹۰۲) حالانکہ یونس بن متی اولوالعزم اور صاحب کتاب پیغمبرون مین سے نہین تھے۔ اور آپ خاتم النبیین تھے مگر پھر بھی آپکا انکسار ایسا مقابلہ جائز نہ رکھتا تھا۔

ابوسعید الخدری بیان کرتے ہین کہ "ایک دن آپ تشریف فرما تھے کہ اتنے مین ایک یہودی آیا۔ اور اُسنے کہا کہ "اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے رفیقون مین سے ایک نے میرے منہ پر طمانچہ مارا" آپ نے پوچھا "کس نے" اسنے کہا "انصار مین سے ایک نے" اور کچھ پتہ بتایا۔ آپ نے اُسے بلایا اور اس سے پوچھا کہ "کیا تو نے اسے مارا ہے" اُسنے کہا "ہان۔ مینے اسے بازار مین یہ قسم کھاتے سنا "قسم اُس ذات کی جسنے موسیٰ کو تمام لوگ مین سب پر فضیلت دی" اس پر مجھے غصہ آیا۔ اور مینے کہا "اے ناپاک کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی" اور مینے اسکے ایک طمانچہ مارا" آپ نے فرمایا "تم لوگ مجھے پیغمبرون پر برتری مت دو" (بخاری ص۳۲۵)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "تم میری تعریف مین زیادہ مبالغہ مت کرو جیسے عیسائیون نے عیسیٰ ابن مریم کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ مین تو اللہ کے بندون مین سے ایک بندہ ہون اسلئے مجھے عبداللہ ورسولہ کہا کرو" (شفا ص۵۵)

ایک دفعہ ایک شخص نے آپکو "یا خیر البریہ" (یعنی اے بہترین خلائق) کہکر خطاب کیا

اسپر آپ نے فرمایا کہ "یہ لقب ابراہیمؑ کے لئے زیادہ موزون ہے" (شفاء ص۵)

اگر انسانی طبیعت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علی العموم خواہ کوئی شخص کتنا ہی متواضع اور منکسر المزاج کیون نہ ہو۔ پھر بھی کم سے کم وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اسکی عزت اور اس کی صفات حسنہ کی تعریف کرین۔ اور خاصکر جس بات مین وہ اورون سے خاص طور پر ممتاز ہے۔ اس مین اس کی فضیلت مسلم رہے۔ مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپکی وجہ امتیاز نبوت ہی تھی۔ اور یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ اور انبیا کو آپ پر فضیلت دینے سے آپ کے تبعین کی نظرون مین شاید آپکی وقعت کچھ کم ہو جائے۔ لیکن آپکی حقیقی عظمت اور فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ آپکو اسکا خیال بھی نہین آیا اور آپ نے اپنے آپ کو نبوت مین بھی اورون پر مرجح اور افضل نہین رکھا۔ یہانتک کہ آپکو خود اپنے صحابہ کا اقتدا کرنے مین بھی تامل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے سفر کا واقعہ ہے کہ آپ صبح اٹھکر کہین باہر تشریف لے گئے۔ اور دیر ہوگئی جب آپ واپس آئے تو جماعت کھڑی ہوگئی تھی۔ اور عبدالرحمن بن عوف پہلی رکعت پڑھا چکے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ کے راوی مغیرہ بن شعبہ تھے۔ اُنہون نے انکو اطلاع دینی چاہی۔ تو آپ نے منع فرمادیا۔ اور انہی کے پیچھے نماز مین شریک ہوگئے۔ (خصائص کبرے للسیوطی ص۲۷۶) اور یون تو جابجا کلام مجید ہی مین ارشاد ہے کہ۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (کہف ع۱۲)

اے پیغمبر تو کہدے کہ بیشک مین تو تمہاری طرح کا آدمی ہون مگر مجھپر یہ وحی کیگئی ہے کہ بیشک تمہارا پروردگار خدای واحد ہے

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع۱۱)

اے پیغمبر تو کہدے کہ سبحان اللہ مین تو ایک انسان پیامبر کے سوا اور کچھ بھی نہین۔

حالی مرحوم نے ارشاد نبوی کا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔

نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم ٭ بنانا نہ تربت کو میری صنم تم

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھسے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اسکا اور ایلچی بھی

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "کسی شخص کو اسکے اعمال جنت میں داخل نہیں کر سکتے"۔ یعنی آدمی سے کچھ نہ کچھ گناہ ہو ہی جاتے ہیں۔ محض اپنے حسن عمل پر کسی کو نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اللہ کے عفو و کرم پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ۔ کیا آپ بھی؟ آپنے فرمایا "ہاں میں بھی۔ جب تک کہ اللہ کی رحمت و مغفرت مجھے ڈھانپ نہ لے" (بخاری ص۹۵۷)

لیکن آپکی تواضع فقط اسی پر موقوف نہ تھی۔ بلکہ آپکا ہر ایک فعل آپکے انکسار کا کامل ثبوت ہے۔ آپکو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپ کے صحابہ آپکی تعظیم کے لئے قیام تو کریں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک روز آپ باہر تشریف لائے۔ اور آپ اسوقت ایک عصا پر سہارا لگئے ہوئے تھے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ اسپر آپ نے فرمایا: "جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اسطرح تمکو کھڑا نہ ہونا چاہیئے" (شفا ص۵)

آپ نے فرمایا: "بیشک میں بھی ایک بندہ ہوں جیسے اور لوگ کھاتے ہیں ویسے ہی میں بھی کھاتا ہوں۔ جیسے اور لوگ بیٹھتے ہیں ویسے ہی میں بھی بیٹھتا ہوں" (شفا ص۵)

جب مکے سے ہجرت فرما کر آپ مدینے میں تشریف لائے تو آپ نے ابو ایوبؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ ابو ایوب کہتے ہیں کہ "ہمکو یہ بات بہت شاق گذرتی تھی کہ آپ تو نیچے رہیں۔ اور ہم اوپر۔ چنانچہ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ اوپر قیام فرمائیں۔ اور ہم نیچے رہینگے کیونکہ یہ ہم کو بڑی بے ادبی معلوم ہوتی ہے" مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ اور فرمایا کہ "مجھے اور میرے پاس آنیوالوں کو نیچے ہی رہنے میں زیادہ آرام ہے" چنانچہ آپ وہیں رہے۔ ایک دن اتفاق سے ہماری پانی کی ٹھلیا ٹوٹ گئی۔ تو میں اور ام ایوب دونوں اپنی چادر سے اس پانی کو پونچھتے رہے۔ اگرچہ ہمارے پاس اسکے سوا اوڑھنے کے لئے اور کچھ

نہ تھا کیونکہ ہم کو یہ ڈر تھا کہ مبادا پانی آپ پر ٹپکے اور آپ کو تکلیف ہو" یہ ہے مثال ایک طرف سے شفقت و انکسار کی اور دوسری طرف سے محبت و احترام کی (سیرت ابن ہشام ص۲۷۶)

آپ فرط انکسار سے گدھے پر بھی سوار ہو جاتے تھے۔ اور اونٹ وغیرہ پر اپنے پیچھے اور لوگوں کو بھی بٹھا لیتے تھے۔ مسکینوں اور بیکسوں کی عیادت کو تشریف لیجاتے تھے۔ فقیروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جلے رہتے تھے۔ اور مجلس میں جہاں جگہ ملجاتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ نوکروں کے کام میں شریک ہو جاتے تھے اور انکو اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ (شفا ص۵۵)

عمرو بن سائب سے مروی ہے کہ "ایک دن آپ تشریف فرما تھے کہ آپکی دایہ حلیمہ کا شوہر حارث بن عبد العزیٰ آیا۔ آپ نے اسکے لئے چادر کا ایک کونہ پھیلا دیا۔ ذرا دیر میں حلیمہ آئی۔ تو آپ نے دوسرا کونہ پھیلا دیا۔ پھر آپکا دودھ شریک بھائی عبد اللہ بن حارث آیا۔ تو آپ کھڑے ہو گئے۔ اور اسے اپنے سامنے بٹھایا" (شفا ص۵۵)

انس کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک دیوانی سی عورت آپکی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اس نے کہا کہ "مجھے تجھسے کچھ کام ہے" آپ نے فرمایا "اے ام فلان تیرا مدینے کی گلیوں میں جہاں جی چاہے بیٹھ جا میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہونگا۔ یہانتک کہ تیرا کام پورا ہو جاے" چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور اسکے ساتھ بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ اُسکا جو کچھ کام تھا وہ پورا ہو گیا" (مشکوٰۃ ص۴۲۲)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک دن میں بیحد بھوکا تھا۔ اور میں شدت گرسنگی سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ اور میں راستے پر بیٹھا تھا۔ جدھر سے لوگ آتے جاتے تھے۔ اتنے میں ابو بکرؓ وہاں سے گزرے۔ میں نے اُنسے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی۔ اور میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ مگر وہ چلے گئے۔ پھر عمرؓ گزرے انسے بھی میں نے ایک آیت اسی نیت سے پوچھی۔ مگر وہ بھی چلے گئے۔ پھر ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے۔ اور مجھے دیکھکر مسکرانے لگے۔ اور آپ نے میرے بشرے سے میری حالت سمجھ لی۔ اور کہا "ابو ہریرہ" مینے کہا "لبیک یارسول اللہ" آپنے فرمایا "چلو" مین بھی آپ کے ہمراہ چلا۔ پھر جب آپ مکان پر پہنچے تو آپ نے میرے لئے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت لیکر مین بھی اندر گیا۔ وہان ایک برتن مین دودھ کھا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ "یہ دودھ کیسا ہے۔ اور کہانسے آیا ہے" معلوم ہوا کہ فلان شخص نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ آپنے مجھسے کہا "ابو ہریرہ اہل صفہ کو بلا لاؤ" اور اہل صفہ وہ لوگ تھے جنکا کوئی گھر بار نتھا۔ جب کوئی چیز خیرات۔ یا صدقے کے طور پر آپ کے پاس آتی تھی۔ تو آپ وہ سب کی سب انہی لوگون کو بھیجدیتے تھے۔ اور اگر تحفتہً آتی تھی تو آپ ان لوگون کو بلاکر اس کو ان مین بانٹ دیتے تھے۔ اور خود بھی انکے ساتھ شریک ہوجاتے تھے۔ مگر اسوقت مجھے ان لوگون کو بلانا ناگوار گزرا۔ اور مینے اپنے دل مین کہا کہ اسکا اہل صفہ کی نسبت تو مین زیادہ مستحق ہون۔ کہ اگر اس مین سے تھوڑا سا پی لون تو ذرا جان مین جان آجائے۔ مگر خیر قہر درویش بجان درویش مین انکو بلا لایا۔ جب وہ آگئے تو آپ نے مجھے انکو دودھ پلانے کا حکم دیا۔ مجھے امید نہ رہی کہ اس مین سے مجھے بھی کچھ ملیگا۔ مگر فرمانبری اور اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پس مینے پیالہ لیکر ان مین سے ایک ایک کو دودھ پلانا شروع کیا۔ جب ایک آدمی سیر ہوکر پی لیتا تھا تو وہ پیالہ مجھے واپس کردیتا تھا۔ مین دوسرے کو دیتا تھا۔ یہانتک کہ اسی طرح مینے سبکو دودھ پلایا۔ اور مین آپ تک پہنچ گیا۔ آپ نے پیالہ مجھسے لیکر اسے اپنے ہاتھ پر رکھ لیا۔ اور میری طرف دیکھکر مسکرائے۔ اور فرمایا "ابو ہر۔ اب مین اور تم باقی رہگئے" مینے عرض کیا "جی ہان یارسول اللہ" آپ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ۔ اور پیو" مین بیٹھ گیا۔ اور پیالہ لیکر دودھ پینا شروع کیا۔ پی چکا۔ تو آپ نے پھر فرمایا "اور پیو" مینے اور پیا۔ آپ نے پھر فرمایا "اور پیو" یہانتک کہ مینے عرض کیا "بخدا اے لایزال اب تو بالکل گنجائش نہین رہی" آپ نے کہا "اچھا اب مجھے دو" مینے پیالہ پیش کیا۔ آپ نے اسے لیکر پہلے بسم اللہ کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور پھر سب کا

پس ماندہ دودھ نوش فرمایا" (بخاری صفحہ ۹۵۶)
سبحان اللہ کسقدر محبت۔ ایثار۔ تواضع اور انکسار کا ثبوت اس ایک واقعہ سے ملتا ہے۔ اور حالت یہ تھی کہ ایسے واقعات ہر روز ہی پیش آتے رہتے تھے۔ ہجرت کے بعد کا ذکر ہے۔ یعنی اس زمانے کا جب بخیال دشمنان آپکی دنیوی سلطنت قایم ہو چکی تھی اور اگرچہ آپ ظاہری حیثیت سے بھی بادشاہ ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کے حسن ادب کا یہ حال تھا کہ آپ کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہین کھاتے تھے۔ (بخاری ص۸۱۲)
آپکو لوگون کی حاجت روائی کے لئے اپنے منکرین و مخالفین تک کے پاس جا کر انکی سفارش کرنے مین عار نہ ہوتا تھا۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کسی پر کچھ قرض ہوا۔ اور یہودی قرضخواہ نے (کیونکہ لین دین کا کام یہودی ہی کرتے تھے) تنگ طلبی کی۔ اور وہ شخص آپ کے پاس آیا۔ اگر آپ کے پاس کچھ ہوا تو خود ادا کر دیا۔ ورنہ اس یہودی کے پاس خود تشریف لے گئے۔ اور اُس سے کہا اور مہلت دینے کیلئے کہا۔ مگر وہ لوگ عموماً اسکا بھی کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ تو آپ اِدھر اُدھر سے کوشش کر کے جسطرح ممکن ہوتا تھا اسے قرض کا بندوبست کر دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "بھوکون اور مسکینون کے لئے کوشش کرنیوالا مجاہد فی سبیل اللہ اور قایم اللیل اور صایم النہار کے برابر درجہ رکھتا ہے" (مشکوٰۃ ص۲۵۹)
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کے کچھ دینار آپ پر قرض تھے وہ تقاضہ کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اسوقت تو میرے پاس کچھ نہین ہے کہ مین تجھے دون" یہودی نے کہا "یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک تو مجھے دیگا نہین مین یہانسے جاؤنگا نہین" آپ نے فرمایا "اچھا تو مین تیرے پاس بیٹھا رہونگا" چنانچہ آپ اسکے پاس بیٹھ گئے۔ اور وہین ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا کی نماز ادا فرمائی۔ یہانتک کہ دوسری صبح ہو گئی آپ کے اصحاب کرام کبھی اس یہودی کو دھمکاتے تھے۔ کبھی اس سے وعدہ کرتے تھے۔ کبھی آپ سے عرض کرتے تھے کہ "یا رسول اللہ۔ آپکو ایک یہودی نے قید کر رکھا ہے"! آپ نے فرمایا "مجھے

پروردگار نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے۔ کہ مین کسی معاہد یا غیر معاہد پر زیادتی کرون"
جب اور دیر ہوئی اور زیادہ دن چڑہا تو وہ یہودی مسلمان ہوگیا۔ اور اس نے کہا
کہ "مین تو آپکے حلم۔ انصاف اور تواضع وغیرہ صفات حسنہ کا امتحان کرنا چاہتا تھا"
(خصائص کبریٰ للسیوطی و مشکوٰۃ ص۴۴۳)

انتہائے عروج مین آپکی تواضع اور فروتنی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب
فتح مکہ کے وقت آپ مظفر و منصور اس شہر مین داخل ہوئے۔ جنے شروع سے آپکو تکلیف
دینے اور آپکی مخالفت کرنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا۔ تو فرط انکسار سے آپ کا
سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ کاٹھی کے سامنے کے حصے سے لگا جاتا تھا۔ آپ اسوقت
اونٹ پر سوار تھے۔ اور تنہا نہ تھے بلکہ اسامہؓ آپ کے ردیف تھے۔ (نسیم الریاض شرح شفاء
سیرت ابن ہشام ص۲۳۶) حالانکہ اس وقت فاتحانہ شان اس بات کی مقتضی تھی کہ آپ
گھوڑے پر اپنے صحابہ کے جھرمٹ مین کالبدر فی النجوم شاہانہ تزک و احتشام سے تشریف
لاتے۔ مگر یہ شان ہی اور ہے۔ جو شہنشاہون کو کہان نصیب۔

صدق

اگر مین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھتا ہوتا تو آپکے
صدق پر قطعاً استشہاد نہ کرتا۔ کیونکہ یہ تو آپ کی وہ صفت ہے جس مین آپکو بعثت سے
برسون پہلے ہی سے شہرت عام حاصل ہوچکی تھی۔ اور جس سے آپکے اسی زمانے کے شدید ترین
اعدا نے بھی انکار نہین کیا۔ اسکے سوا یون بھی صدق باقی تمام محاسن اخلاق کا سنگ بنیاد
ہے۔ اور جب تک کسی طبیعت مین پوری سچائی نہ ہو۔ تب تک اس مین کوئی اور اعلیٰ خوبی ہونی
ممکن ہی نہین ہے۔ اسلئے اس جامع صفات حسنہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر
واقعات سے استدلال کرنا۔ سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اور یہ آنجناب کی شان مین گستاخی ہی ہے

بلکہ خود اپنی جہالت اور نادانی کا بھی اظہار ہے۔ لیکن مین تو چونکہ اپنے ابنائے وطن کی تقلید اور اتباع کے لئے آپ کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنا چاہتا ہون۔ اسلئے میرے لئے آپکے صدق کا بیان بھی ضروری ہے۔

ہم مین سچائی کی اسقدر کمی ہے کہ اگر ترتیب ابواب مین اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھا جاتا تو یقیناً اس باب کو فاتحۃ الکتاب ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن خیر۔ چونکہ ہم لوگ عموماً ایسے مضامین کی کتابون کو ختم کرنے سے پہلے انکے ابتدائی حصّہ کو بھول جاتے ہین اسلئے شاید اس کا آخر مین ہونا بھی کچھ زیادہ ناموزون نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اسکے بعد کتاب کے جلد ختم ہوجانیکی وجہ سے اسکا کچھ حصّہ حافظے کے کسی کونے مین باقی رہجائے۔

سچائی کے متعلق جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی تعلیم کا اندازہ اس ایک حدیث سے ہوسکتا ہے۔ اور اگر گوش شنوا ہو تو یہی ایک نصیحت عمر بھر کی اصلاح کیلئے کفایت کرتی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ "ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ "یارسول اللہ جنت پانے کا عمل کیا ہے" آپ نے فرمایا "صدق۔ کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے۔ تو نیکی کرتا ہے۔ اور جب نیکی کرتا ہے تو نور ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب ایماندار ہوتا ہے۔ تو جنت مین داخل ہوتا ہے" (ترغیب وترہیب ص۵۰۱)

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ "خبردار ہمیشہ سچے رہو۔ خواہ تمکو سچائی مین ہلاکت ہی کیون نہ نظر آئے۔ کیونکہ بلاشبہ نجات اسی مین ہے" (ترغیب وترہیب ص۵۰۱)

ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "دیکھو۔ ہمیشہ صدق پر جمے رہو۔ کیونکہ صدق نیکو کاری کی طرف لیجاتا ہے۔ اور نیکو کاری جنت کی طرف رہبری کرتی ہے۔ اور جو شخص ہمیشہ سچ پر قایم رہتا ہے۔ وہ بارگاہ الٰہی مین صدیق لکھا جاتا ہے۔ اور خبردار جھوٹ سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف لیجاتا ہے۔ اور بدکاری آگ کی طرف رہبری کرتی ہے۔ اور جو شخص جھوٹا ہوتا ہے وہ بارگاہ کبریائی مین کذاب لکھا جاتا ہے" (بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی از ترغیب وترہیب ص۵۰۱)

آپ کی سچائی اور راستبازی اتنی اعلےٰ درجے کی تھی کہ زبان صدق بیان پر تو کیا کبھی آپ کے خیال مین بھی کوئی غلط بات نہین گذرتی تھی۔ اور گزشتہ کے متعلق آپ جو کچھ فرماتے تھے۔ وہ تو درست ہوتا ہی تھا۔ لیکن خیالات کی راستبازی کا اتنا اثر تھا کہ آئندہ کی بابت بھی جو بات آپکی زبان مبارک سے نکلتی تھی۔ خدا اس کو سچ کر دیتا تھا۔ چنانچہ اسکے بیسیون مستند واقعات ہین کہ آپ نے کسی شخص یا کسی واقعے کی بابت کچھ فرمایا۔ اور بعد مین بعینہٖ وہی ہوگیا۔ لیکن اسپر آپ نے کبھی پیشین گوئی یا غیب دانی کا دعویٰ نہین کیا۔ بلکہ اس سے قطعی انکار فرمایا۔ آپکی یہ صفت اتنی مشہور و معروف تھی کہ آپکے اعدا و مخالفین تک کو اس سے انکار نہ تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ جنگ بدر مین اخنس ابن شریق ابوجہل سے ملا۔ تو اس نے اس سے کہا "اے ابوالحکم مین تجھسے ایک بات پوچھتا ہون۔ یہان ہم دونون کے سوا اور کوئی تو ہماری بات سننے والا نہین ہے۔ تو مجھے سچ سچ بتا دے کہ آیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے۔ یا جھوٹا" ابوجہل نے جواب دیا کہ "واللہ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اسنے کبھی غلط بیانی نہین کی" (شفا ص ۵۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہین کہ "ایک مرتبہ ابوجہل نے خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "ہمکو تیری راست گفتاری اور صادق البیانی پر تو شبہ نہین ہے اور ہم تجھے تو نہین جھٹلاتے۔ البتہ جو کچھ تو لایا ہے۔ اور جو کچھ تو کہتا ہے۔ اسکو ہم جھٹلاتے ہین اور اسے ہم نہین مانتے۔ چنانچہ اسی پر یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی (شفا ص ۵۹)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام ع ۴)	بیشک ہم جانتے ہین کہ وہ لوگ جو باتین کہتے ہین تجھکو رنجیدہ کرینگی پس یہ ظالم تجھکو نہین جھٹلاتے۔ بلکہ اللہ کی نشانیون کا انکار کرتے ہین۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی کہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ	اور تو اپنے قریبی رشتہ دارون کو ڈرا۔

توجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر چڑھے۔ اور آپ نے سب قبائل قریش کو پکارا۔ آپکی آواز سنکر سب اہل قریش جمع ہو گئے یہانتک کہ جو شخص خود نہین آسکتا تھا اُس نے اپنا آدمی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ اُنہون نے آپ سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ آپنے فرمایا "یہ بتاؤ کہ اگر مین تم کو یہ خبر دون کہ پہاڑ کے پیچھے اس وادی مین ایک لشکر پڑا ہوا ہے اور صبح یا شام تمپر حملہ کرنیوالا ہے۔ تو تم میرے کہنے کو سچ سمجھوگے یا نہین" سب نے کہا ہان۔ بیشک۔ کیونکہ ہمنے کبھی تجھے جھوٹ بولتے ہوئے نہین سُنا" آپ نے فرمایا" تو مین تم کو عنقریب آنے والے عذاب سخت سے ڈراتا ہون" یہ سنکر ابولہب نے کہا۔ تجھپر ہلاکت ہو کیا تو نے ہم کو اسواسطے بلایا تھا" اسپر سورہ لہب نازل ہوئی (بخاری ص۷۰۲)

حالی مرحوم نے اس واقعے کو اپنے مسدس مین نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر ٭ تمام اہل مکہ کو ہمراہ لیکر ٭
گیا ایک دن حسب فرمان داور ٭ سوے دشت اور چڑھکے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ "اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجکو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے "قول آج تک کوئی تیرا ٭ کبھی ہمنے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا"
کہا "گر سمجھتے ہو تم مجھکو ایسا ٭ تو باور کروگے اگر مین کھونگا
کہ فوج گران پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہین گھات پاکر"

کہا "تیری ہربات کا یان یقین ہے ٭ کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امین ہے"
کہا "گر مری بات یہ دلنشین ہے ٭ تو سن لو خلاف اس مین اصلا نہین ہے
کہ سب قافلہ یہانسے ہے جانیوالا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنیوالا"

بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ "نضر بن حارث ایک دن آپ کے متعلق اکابر قریش سے کہنے لگا کہ" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم مین نوعمر لڑکا تھا تب وہ تم مین سب سے زیادہ پسندیدہ کرد آور راست گفتار۔ اور امانت دار سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اسکی داڑہی کے بال سپید ہوگئے۔ اور اس نے تمسے وہ باتین کہنی شروع کین جو وہ کہتا ہے تو اب تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ نہین۔ خدا کی قسم وہ جادوگر نہین ہے۔ ہمنے جادوگرونکے شعبدے دیکھے ہین۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ کاہن ہے۔ تو واللہ۔ وہ کاہن بھی نہین ہے۔ ہمنے کہانت کے تماشے بھی دیکھے ہین۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ دیوانہ ہے۔ تو واللہ۔ وہ دیوانہ بھی نہین ہے۔ ہم دیوانون کی دیوانگی اور خبط کو بھی جانتے ہین۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے تو واللہ وہ شاعر بھی نہین ہے۔ ہم شعر کے تمام اصناف سے بھی واقف ہین۔ پس ای معشر قریش تم اس معاملے پر غور کرو۔ واللہ تم پر یہ ایک امر عظیم واقع ہوا ہے (سیرت ابن ہشام ص۱۵۹)

یہ شخص نضر بن حارث آپکا نہایت دشمن تھا۔ اور ہمیشہ آپکے درپے آزار رہتا تھا چنانچہ اس کو شیطان قریش کہتے ہین۔ یہ جنگ بدر مین گرفتار ہوکر مارا گیا (سیرت ابن ہشام ص۱۸۴)

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار قریش زیادہ تر اپنی ضد اور اپنے غرور و نخوت کی وجہہ سے اسلام نہین لاتے تھے۔ اور باوجودیکہ وہ آپکو صادق القول جانتے تھے۔ مگر پھر بھی آپکو جھٹلاتے تھے۔ اور آپ سے لڑتے تھے۔ بہرحال اس سے ہم کو بحث نہین۔ لیکن یہ یقینی امر ہے۔ کہ آپکی کامل راستبازی پر آپ کے سخت سے سخت دشمن کو بھی کبھی حرف گیری کا موقع نہین ملا۔

صدق ہی کا ایک شعبہ ایفائے وعدہ بھی ہے۔ اگرچہ یہ معمولی سچائی سے کسیقدر زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ ایفائے وعدہ مین بعض وقت مشکلات کا بھی سامنا ہوتا ہے لیکن انہی مشکلات کے سبب سے یہ قابل تعریف بھی زیادہ ہے۔ اسلئے احادیث نبوی مین اسکی تاکید بھی زیادہ کیگئی ہے۔ آپنے فرمایا کہ" منافق کی تین نشانیان ہین۔ اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو۔ نماز

پڑھتا ہو۔ اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ اول بات کرے تو جھوٹ بولے۔ دوسرے جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ تیسرے جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" (صحیحین از مشکوٰۃ ص۸) ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ تینوں باتین جھوٹ ہی کی مختلف صورتین ہین۔ سچا آدمی نہ جھوٹ بولتا ہے۔ نہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ نہ امانت مین خیانت کرتا ہے۔

آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبد اللہ ابن ابی الحماء نے آپ سے کچھ چیز لی۔ مگر قیمت مین کچھ کمی رہگئی۔ اس نے آپ سے کہا کہ "تم یہین ٹھہرو مین ابھی لیکر آتا ہون" اسکے بعد وہ بھول گیا۔ تین دن بعد اسے یاد آیا۔ آنکر دیکھا تو آپ وہین تھے۔ آپ نے اُسے دیکھکر فرمایا کہ "تمنے مجھے سخت تکلیف دی۔ مین تین دن سے یہین تمہارا انتظار کررہا ہون" (شفاء ص۵۶)

صلح حدیبیہ کا کچھ قصہ انصاف کے ضمن مین بیان کیا جاچکا ہے۔ اس صلح کی شرطون مین سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر اہل مکہ مین سے کوئی شخص آپ کے پاس آجائے۔ تو خواہ وہ مسلمان ہی کیون نہ ہو پھر بھی آپ اسے واپس کردین۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط مسلمانون کے لئے بڑی سخت تھی۔ چنانچہ اُنہون نے کہا کہ "سبحان اللہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو شخص مسلمان ہوکر ہمارے پاس آئے ہم اُسے مشرکون کو دیدین" یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ اور یہ شرط عہدنامہ مین لکھی بھی نہین گئی تھی کہ ابو جندل بن سہیل زنجیرین کھڑکھڑاتا ہوا آیا۔ وہ مکے کے زیرین حصے سے نکل بھاگا تھا۔ اور مسلمانون کے لشکر تک پہنچ گیا تھا۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھکر کہا "یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا شخص ہے۔ جسے مین چاہتا ہون کہ تم واپس کردو" آپنے فرمایا کہ "ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہین گیا" مگر سہیل نے کہا "واللہ اگر تم نے یہ نہ کیا تو پھر مین ہرگز تمسے کسی شرط پر بھی صلح نہ کرونگا" آپنے ہرچند اسے نرم کرنا اور سمجھانا چاہا۔ مگر اس نے مانا ہی نہین۔ اسیر ابو جندل نے کہا "یا معشر المسلمین مین مسلمان ہون اور اب مشرکون کے حوالے کیا جاتا ہون۔ کیا تم میرا حال نہین دیکھتے کہ مین کس بلا مین مبتلا ہون" اور یہ

ظاہر تھا کہ انہے محض اللہ کے ماننے کے سبب سے بہت سخت سخت تکلیفین پہنچائی گئی تھین اس پر (بقول ابن اسحاق) آپ نے فرمایا: "اے ابوجندل۔ صبر کرو۔ گھبراؤ مت۔ پس بیشک ہم غدر اور عہد شکنی نہین کرینگے۔ اور بلا شبہ اللہ تمہارے لئے کشائش اور راستہ پیدا کر دیگا" اور یہ کہکر اسے سہیل کے حوالہ کر دیا۔ حالانکہ یہ بات تمام مسلمانون پر بے انتہا گران گزری اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تو بڑے شد و مد سے اس سے اختلاف کیا۔ مگر آپنے ایفائے عہد مین شائبہ شبہ تک کو گوارا نہ فرمایا۔ اور کسی کے اختلاف کی مطلق پروا نہ کی (بخاری صـ۳۷۹)

اسکے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لآئے تو قریش مین سے ایک شخص ابوبصیر جو اسلام لاچکا تھا۔ مکے سے بھاگ کر وہان آگیا۔ قریش نے حسب وعدہ اسے لینے کے لئے آدمی بھیجے۔ آپ نے بے تامل ابوبصیر کو انکے حوالے کر دیا۔ مگر جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہان ٹھہر کر انہون نے کچھ کھانے پینے کا ارادہ کیا۔ ابوبصیر نے ان مین سے ایک کی تلوار کی تعریف کی اور دیکھنے کے لئے مانگی۔ اسنے خوشامد مین آکر تلوار دیدی۔ ابوبصیر نے تلوار لیکر پہلا وار اسی پر کیا۔ کہ وہ تو وہین ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا آدمی بھاگا اور گرتا پڑتا سیدھا مسجد نبوی مین آیا جب وہ آپ کے پاس پہنچا۔ تو اُسنے کہا" واللہ میرا رفیق مارا گیا۔ اور مین بھی بال بال ہی بچا ہون" اتنے مین ابوبصیر بھی آگیا۔ اور اس نے آتے ہی کہا: "یا نبی اللہ۔ واللہ خدا نے آپکو اپنے عہد سے سبکدوش کر دیا۔ کیونکہ آپ تو مجھے انکے حوالے کر چکے تھے۔ پھر اللہ نے مجھے انسے نجات دی" آپ نے فرمایا: "یہ شخص آتش جنگ کا بھڑکانے والا ہے" آپ کے لہجے سے سبکو یقین ہو گیا کہ آپ ابوبصیر کو پھر ضرور واپس کر دینگے۔ اس ڈر سے ابوبصیر وہانسے فوراً چلدیا اور سمندر کے کنارے پر جاکر پناہ گزین ہوا۔ اسکے بعد قریش مین سے جو شخص مسلمان ہوکر مکے سے نکل بھاگتا تھا۔ وہ سیدھا وہین جاتا تھا۔ یہانتک کہ ابوبصیر کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہو گئی۔ انہون نے اپنی شکم پروری کے لئے یہ وتیرہ اختیار کر لیا کہ قریش کا جو قافلہ

شام کی طرف جاتا تھا۔ اسی کو لوٹ لیتے تھے۔ یہانتک کہ قریش نے تنگ آکر آپکی خدمت مین بڑے عجز و الحاح سے کہلا بھیجا کہ آپ ان لوگون کو اپنے ہان بلالین۔ اور آئندہ بھی جو شخص مسلمان ہوکر مکے سے چلا جائے۔ اُسے واپس لوٹانے کی ضرورت نہین۔ تب آپ نے ابو بصیر اور اسکے ساتھیون کو اپنے ہان آنے کی اجازت دی۔ اور یون وہ شرط ٹوٹی جو شروع مین مسلمانون کو اتنی ناگوار گزری تھی۔ لیکن آخر مین خود اہل مکہ کیلئے ایسی وبال جان ہوگئی کہ انہون نے خود منتین کرکے اس سے اپنی جان چھوڑائی (بخاری ص۳۸۰)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز صداقت و امانت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے باوجودیکہ اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور آپکے قتل کے درپے تھے۔ پھر بھی آپ کی صداقت و امانت پر انکو اتنا کلی اعتبار تھا کہ جس کسی کے پاس کچھ بھی ایسا سامان ہوتا تھا جسکے ضائع ہوجانے کا ڈر رہتا تھا۔ تو وہ اسے آپکے پاس امانت رکھ جاتا تھا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت آپکا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر اور اپنے پیچھے چھوڑ جانے کا اصلی سبب ہی یہ تھا۔ کہ آپ کے تشریف لیجانے کے بعد وہ تمام ودیعتین انکے مالکون کو واپس کردین (سیرت ابن ہشام ص۲۷۳) ورنہ ایسے وقت مین حضرت علی کو اس بھڑون کے چھتے مین تنہا چھوڑ جانا کچھ کم خطرناک نہ تھا۔ کیونکہ ابو طالب کا تو انتقال ہی ہوچکا تھا۔ اور یہ امر قرین قیاس تھا کہ قریش آپکو نہ پاکر اپنی ساری ناکامی کا بدلہ حضرت علی سے لین۔ مگر آپ نے حضرت علی کو اطمینان دلا دیا تھا کہ انکو کچھ خوف نہ کرنا چاہیے۔ اور بہرحال چونکہ امانتون کی واپسی لازمی تھی۔ اسلئے حضرت علی وہین رہے۔ یہانتک کہ وہ کل شیا اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دی گئین۔ سبحان اللہ کتنی عمدہ تعمیل ہے۔ اس ارشاد الٰہی کی کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النساء)	بیشک اللہ تمکو حکم دیتا ہے کہ امانتین انکے مالکون کو واپس کردیا کرو اور جب تم لوگون کے باہمی جھگڑون کا فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو

حیا

قدرت نے انسان کے جذبات حیوانی کی لگام اور اسکے قوائے شہوانی کا انتظام حیا کے ہاتھ مین رکھا ہے۔ اور فقط یہی نہین۔ بلکہ اسیکے ذریعے سے اور بہت سی برائیون کی بھی روک تھام کی ہے۔ آجکل کی تہذیب مین حیا کی کچھ زیادہ تاکید نہین کیجاتی۔ بلکہ اسے ایک حد تک صرف صنف ضعیف کے لئے مخصوص اور فرقہ اناث کے واسطے موزون سمجھا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس تہذیب کی غلطی ہے۔ اور اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ کے اصول کی صحت مین کچھ تغیر نہین ہوا۔ چونکہ غالباً ناظرین خود اپنے ذاتی تجربے سے اس کی تصدیق کرسکینگے اس لئے مجھے اس بحث کی مزید تصریح غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بہرحال خصائل انسانی مین سے حیا کو نکال لیجئے۔ اور دیکھئے کہ انسانیت کا کتنا بڑا جزو غائب ہوجاتا ہے۔ اور کتے اور آدمی مین کتنا فرق رہجاتا ہے۔ بلاشبہ یہ درست ہے کہ اور مکارم اخلاق کی طرح حیا کا بھی غلط استعمال ہوسکتا ہے۔ اور اس مین بھی افراط و تفریط ممکن ہے۔ لیکن اس سے اس صفت کی پاکیزگی پر کچھ اثر نہین پڑتا۔ اور اگر ہم ذرا غور کرین تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنی عمدہ خصلت ہے کہ اگر کسی شخص مین حیا کے سوا اور کوئی خوبی نہو تب بھی وہ صرف اسی کی وجہ سے ہر قسم کی برائیون سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ بے حیائی کو ارتکاب فواحش کا دروازہ سمجھنا چاہیے۔ جب تک یہ دروازہ نہین کھلتا۔ اور آنکھون مین شرم۔ اور دل مین غیرت باقی رہتی ہے۔ تب تک ناکردنی حرکات کی طرف قدم ہی نہین بڑھتا۔ اور یون اگر آدمی نیکی نہ بھی کرے تب بھی بدی سے محفوظ رہتا ہے۔

حیا کے کئی درجے ہین۔ سب سے پہلا درجہ تو یہ ہے کہ آدمی کو غیرون کے سامنے کوئی ناشائستہ بات کرتے ہوئے شرم آئے۔ اور اگرچہ یہ درجہ بہت ابتدائی اور معمولی ہے۔ مگر پھر بھی بہت سی ظاہری برائیان اس سے چھوٹ جاتی ہین۔ اس سے ترقی ہوتی ہے تو آدمی اپنے عزیزون اور گھر والون سے بھی شرم کرنے لگتا ہے۔ اور اس سے بہت سی ایسی قباحتین

دور ہوجاتی ہین۔جو بیرونی دنیا کی نظرون سے چھپکر گھر کی چہار دیواری کے پردے مین ظاہر ہوتی ہین۔لیکن سب سے زیادہ اعلیٰ درجہ یہ ہے۔کہ آدمی کو اپنے آپ سے بھی شرم آنے لگے یا بہ الفاظ دیگر خدا سے شرم کرنے لگے ظاہر ہے کہ اس صورت مین وہ اپنے آپکو بدکرداریون سے ہی نہین۔بلکہ بدگمانیون تک سے بچائیگا۔اور حتی المقدور اپنے دل مین کسی قسم کا ناپاک اور شرمناک خیال تک نہ گذرنے دیگا۔کیونکہ وہ اپنے آپکو کسی مخفی سے مخفی خلوتکدے مین بھی تنہا نہ پائیگا۔اور اُسے دل کے مخفی پردون اور دماغ کے تاریک گوشون مین بھی گناہ کی تصویر کو پناہ دینے کی جسارت نہ ہوگی۔اسی لئے ارشاد نبوی ہے کہ (مشکوٰۃ صـ۴۳۲ـ)

خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ — اسلام کی خاص خصلت حیا ہے

جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی ذات بابرکات یون تو تمام صفات جمیلہ کی بہترین مثال ہے۔اسلئے آپ مین حیا کا بھی علیٰ وجہ الکمال پایا جانا کچھ عجیب بات نہین ہے۔لیکن تعجب تو یہ دیکھکر ہوتا ہے۔کہ آپ نے کس زمانے مین کس قسم کے لوگون کے سامنے حیا اور غیرت کا کیسا اعلیٰ درجے کا نمونہ پیش کیا۔کہنے کو تو عرب اپنے آپکو بڑا ناک والا کہتے تھے۔مگر حالت یہ تھی کہ برہنگی انکے لئے کچھ باعث شرم نہ تھی۔بلکہ حج مین تو ننگے ہی ہوکر طواف کرتے تھے پھر بھلا جہان سترِ غلیظ تک کو چھپانے کی پروا نہو۔وہان شرم و غیرت کیا ہوگی۔خدا کی شان ہے کہ انہی لوگون مین آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔اور آپ کی حیا کی یہ حالت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہین کہ اُنہون نے بھی آپ کو کبھی برہنہ نہین دیکھا۔(شمائل ترمذی صـ۲۵ـ) ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ "آنجناب شریف پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔اور جب کوئی بات آپ کو ناپسند ہوتی تھی۔تو ہم لوگ فوراً آپ کے چہرے سے سمجھ جاتے تھے۔اگر آپکو کسی کی بات اچھی نہ معلوم ہوتی تھی تو اُسے اشارے کنائے سے آگاہ فرمادیتے تھے۔تاکہ وہ خفیف نہ ہو" (بخاری صـ۹۰۱ـ وشفا صـ۵۲ـ) لیکن یہ رعایت فقط انہی باتون مین تھی جو آپکو ذاتی طور پر ناپسند ہوتی تھین۔ورنہ احکام الٰہی مین پہلو تہی کرنے والے کو

آپ کبھی یون طرح نہین دیتے تھے۔ اور اعلاء کلمۃ الحق مین آپکی آواز کسی وجہہ سے پست نہین ہوتی تھی۔ اور حقیقت مین اگر ایسا ہوتا تو وہ حیا کا غلط استعمال ہوتا۔ مگر اس مین صداقت اور محض خیر صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات مین بھی حد اعتدال سے تجاوز کیونکر ہو سکتا تھا۔ وہان تو غلطی کا امکان ہی نہ تھا۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص خدمت بابرکت مین حاضر ہوا۔ جس پر زعفران یا کسی ایسی ہی چیز کی زردی کا نشان تھا۔ اگرچہ آپ اپنی امت مین اس قسم کے زنانہ پن کے بناؤ سنگار پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہین کہا۔ البتہ جبوہ چلا گیا۔ تو اور حاضرین مجلس سے فرمایا کہ "اگر تم اس سے اسکے دھو ڈالنے کے لئے کہتے تو اچھا ہوتا" (ابوداؤد ص۵۷۶ شمائل ترمذی ص۲۷)

حقیقت یہ ہے کہ آپکی حیا اتنی اعلیٰ درجے کی تھی کہ آپ کسی کو نادم و شرمسار ہوتے ہوئے دیکھنے سے بھی شرم کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ "جب آپکو کسی کی کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تو آپ اسکا نام لیکر بالتخصیص کچھ نہین فرماتے تھے۔ بلکہ یون کہدیتے تھے کہ "وہ کیسے آدمی ہین۔ جو ایسی باتین کرتے ہین" (شفا ص۵۲) یون اس کو اشارۃً تنبیہ بھی ہوجاتی تھی۔ اور وہ اور لوگون کے سامنے خجل اور خفیف بھی نہین ہوتا تھا۔ اور بہت سے آدمیون کو اس حرکت کی قباحت بھی معلوم ہوجاتی تھی۔

یہ آپکی شدت غیرت اور فرط حیا ہی کی وجہہ تھی کہ اللہ تعالےٰ کو کلام مجید مین آپکی طرف سے لوگون کو یہ آداب ملاقات سکھانے کی ضرورت پڑی کہ جب کوئی کسی کے ہان ملنے جائے۔ تو یہ جائز نہین کہ وہان بیٹھکر اور لوگون سے ادہر اُدہر کی گپ لگانے لگے۔ اور یون صاحب خانہ کی تکلیف اور کوفت کا باعث ہو۔ آپکے اصحاب حاضر خدمت ہوتے تو وہان آپس مین دیر تک باتین کرتے رہتے۔ اور جناب رسالت مآب اپنی تکلیف کو ان کی

دلشکنی پر ترجیح دیتے۔ مگرانسے کچھ نہ فرماتے تھے۔ اسپر ارشاد باری ہوا کہ

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (احزاب ع)

بیشک تمہاری اس بات سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ تمسے شرم کرتے ہین۔ اور اللہ کو سچ بات کہنے مین کسی کا کچھ لحاظ نہین ہے۔

مگر یہ امر یہان بھی قابل لحاظ ہے کہ آپ صرف اپنی ذاتی تکالیف و مکروہات کو ہی اس خموشی سے گوارا فرمالیتے تھے۔ اور اسکے اظہار مین شرم کرتے تھے۔ لیکن کسی صداقت مذہبی کے اعلان اور فرمان خداوندی کی تعمیل مین ہرگز ذاتیات آپ کے لئے مانع نہین ہوتی تھین۔ اور یہی حیا کا سچا اور صحیح استعمال ہے۔ اللہ سبکو اسکی توفیق دے۔

وقار و متانت

مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جو شخص اسقدر حلیم اور شفیق۔ اتنا رقیق القلب اور منکسر المزاج ہو۔ لوگون کے دلون سے اسکی عظمت ووقار کم ہوجائے۔ اور اسکا رعب و داب قایم نہ رہے۔ مگرخدا نے اپنی قدرت سے جناب سرورکائینات علیہ الصلوٰۃ و التحیات کو کچھ ایسا مزاج عطا فرمایا تھا کہ ان تمام باتون کے باوجود بھی جو رعب واثر آپکا تھا۔ وہ شاہان عالی وقار کو بھی نصیب نہ ہوگا۔ حالانکہ آپ کبھی کسی کو کچھ نہین کہتے تھے۔ ہر ایک سے بے انتہا نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اور آپ کے صحابہ بھی آپ کے پسینہ کی جگہہ اپنا خون بہانے کو سعادت دارین سمجھتے تھے۔ مگرخدا نے آپکی سادہ اور بے تصنع وضع کو اپنے جمال و جلال کا مظہر بنایا تھا۔

خارجہ بن زید انصاریؓ کہتے ہین کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی باوقار تھے۔ اور مجلس مین کبھی آپ سے کوئی بیجا حرکت سرزد نہین ہوتی تھی۔ (شفا صـ۶۱)

آپ بیشتر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بلاضرورت بات نہین کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کوئی نازیبا بات کرتا تھا۔ تو اس سے اعراض فرماتے تھے۔ آپ کا کلام صاف اور واضح

ہوتا تھا۔ نہ اتنا طویل کہ اس مین کوئی بات فضول اور زائد از ضرورت ہو۔ نہ اتنا مختصر کہ کوئی کام کی بات رہجائے۔ یا سمجھ مین نہ آئے۔ آپ قہقہہ مار کر اس طرح نہین ہنستے تھے کہ دندان مبارک کھل جائین۔ بلکہ تبسم فرماتے تھے۔ اور آپ کے اصحاب بھی آپکی توقیر و تعظیم اور صفات نبویہ کی تتبع کی وجہ سے مجلس مبارک مین زور سے نہین ہنستے تھے۔ آپ کی مجلس مین حلم اور امانت اور حیا اور نیکی کی گفتگو ہوتی تھی۔ لوگ آپکے سامنے بلند آواز سے باتین نہین کرتے تھے۔ اور وہان کسی قسم کی نازیبا اور ناپسندیدہ گفتگو نہین کیجاتی تھی۔ جب آپ کلام فرماتے تھے۔ تو سب اہل مجلس ادب سے سر جھکا لیتے تھے۔ اور بالکل سکوت ہو جاتا تھا آپ نہایت صحت اور وضاحت سے گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ آپ اسقدر صاف تکلم فرماتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا گننا چاہتا تو ایک ایک حرف الگ الگ گن لیتا (شکوٰۃ صـ۴۴۲)

اسی طرح آپکی چال بھی نہایت معتدل اور متوسط قسم کی تھی۔ نہ تو آپ بہت تیز چلتے تھے کہ ساتھ والون پر گران ہو۔ نہ اسقدر آہستہ چلتے تھے کہ اس سے تکان اور سستی متر شح ہو۔ غرض اعتدال اور میانہ روی آپکی ہر ایک بات سے ہویدا تھی۔ ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر کچھ عرض کرنا چاہا۔ مگر رعب نبوی سے اسکے بدن مین لرزہ پڑ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ مت۔ اطمینان سے بات کرو۔ مین کوئی بادشاہ نہین ہون بلکہ مین بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہون۔ جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ (شفا صـ۵۹)

صلح حدیبیہ کی شرائط کے طے ہونے سے پہلے قریش کا ایک سردار عروہ ابن مسعود اہل مکہ کا سفیر بنکر جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اثنا سے گفتگو مین اسنے آپکی ریش مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا (جیسے کہ بعض آدمیون کی عادت ہوتی ہے) مغیرہ ابن شعبہؓ آپ کے پیچھے مسلح کھڑے تھے۔ تو جب عروہ کا ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھتا تھا۔ وہ تلوار کی کوتی سے اسے ہٹا دیتے تھے۔ اور کہتے تھے جناب رسول اللہ کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے

بہرحال جب وہ وہاں سے اپنے لشکر مین واپس گیا تو اپنے ساتھیون سے کہنے لگا "اے قوم۔ واللہ مین نے بڑے بڑے بادشاہون کے دربار دیکھے ہین۔ اور مین قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے پاس سفیر بنکر گیا ہون۔ مگر خدا جانتا ہے کہ مینے کسی بادشاہ کو نہین دیکھا کہ اسکے اصحاب اسکی اتنی تعظیم کرتے ہون۔ جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب انکی عزت اور ادب کرتے ہین۔ واللہ اگر وہ تھوکتے بھی ہین تو وہ بھی زمین پر نہین گرنے پاتا۔ اور لوگ اسے ہاتھون ہاتھ لیکر منہ اور جسم پر مل لیتے ہین۔ اور جب وہ وضو کرتے ہین۔ تو انکے وضو کے گرے ہوئے پانی کے لئے جان دیتے ہین اور جب وہ کوئی حکم دیتے ہین۔ وہ تعمیل ارشاد کے لئے دوڑتے ہین۔ اور جب وہ بات کرتے ہین۔ تو انکے سب پاس بیٹھنے والون کی آوازین دھیمی ہو جاتی ہین۔ اور وہ فرط تعظیم و تکریم سے انکی طرف نظر اُٹھاکر نہین دیکھتے۔ اور کبھی ان سے آنکھ نہین ملاتے۔ انہون نے تمکو امن کا پیام بھیجا ہے۔ تو تمکو چاہئے کہ اسے قبول کرلو" (بخاری ص ۳۷۸ و ۳۷۹)

سبحان اللہ یہ شان نبوت تھی۔ شان حکومت نہ تھی۔ یہ بات کسی کو کہان نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اپنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی تقلید مین وہ طریقہ اختیار کرین جس سے ہمارے ملنے جلنے والون مین ہماری عزت اور لحاظ باقی رہے۔ کیونکہ اس سے بھی آدمی اکثر برائیون سے بچ جاتا ہے۔

زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی

انسانی طبیعت مین طیب و ظرافت کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کھانے مین نمک اس کی بھی بڑی خوبی یہی ہے کہ انداز سے ہو۔ ورنہ اگر نمک کی طرح زیادہ ہو گئی تو متانت سنجیدگی اور اور بہت سی اخلاقی خوبیون کو مٹاکر آدمی کو نکما اور بیکار کردیگی۔ اور اگر کم ہوئی تو زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی نہ ہوگی۔ اور زندگی بالکل پھیکی اور بے لطف رہیگی۔ دنیا مین ظریفون کی تو کمی نہین ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کہ متانت اور سنجیدگی بھی ہو۔ اور شگفتہ مزاجی

بھی ہو۔ اور بالخصوص بزرگان ملت و مقتدایان مذہب تو اپنی شان کو خوش طبعی اور مذاق سے بہت ارفع سمجھتے ہین۔ اس مین شک نہین کہ ایک حد تک انکا ایسا سمجھنا بجا بھی ہے کیونکہ جو دل و دماغ موت و زیست کے مسائل اور دنیا و عقبےٰ کے مباحث پر غور و فکر کرتے رہتے ہین۔ انکو ہنسی دل لگی کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ان کی طبیعت خود ہی ان باتون سے اچاٹ ہو جاتی ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

خبر زندہ دلی نیست اہل مدرسہ را ۔ کہ دل بسان مگس در کتاب می میرد

ہان اگر مزاج مین کامل اعتدال ہو۔ تو البتہ یہ ممکن ہے کہ طبیعت مین تفکر و تدبر بھی ہو اور شگفتگی بھی باقی رہے۔ لیکن ایسے مزاج النادر کالمعدوم ہین۔

جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کو اللہ نے ایسا ہی مزاج عطا فرمایا تھا آپ مین اسقدر متانت اور سنجیدگی۔ اور بزرگی کے ساتھ زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی بھی اعلیٰ درجے کی تھی۔ اور باوجودیکہ آپکا عرفان الٰہی مین ڈوبا ہوا قلب مطہر کسی وقت دم بھر کے لئے بھی صنّاع ازل کے آثار قدرت پر غور و خوض سے غافل نہ ہوتا تھا۔ پھر بھی آپ محض زاہد خشک ہرگز نہ تھے۔ چہرۂ مبارک ہر وقت بشاش رہتا تھا۔ اور آپ ہر شخص سے نہایت خندہ روئی سے ملتے تھے۔ چنانچہ جریر بن عبداللہ رض کہتے ہین کہ مین جب سے اسلام لایا آپ نے مجھے اپنے ہان آنے سے منع نہین فرمایا۔ اور آپ جب مجھے دیکھتے تھے مسکرانے لگتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۱۵)

بسا اوقات چھوٹے چھوٹے بچے آپ کے پاس آجاتے تھے۔ اور آپ انسے کھیلا کرتے تھے۔ اور انکو کھلایا کرتے تھے۔ کبھی آپ انسے خوش طبعی کی باتین بھی کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مرتبہ آپ محبت اور مزاح سے اس کو "ذوالاذنین" (دو کان والا) کہکر خطاب فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۱۵)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما مین کسی بات پر

کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ حضرت علی مسجد مین جاکر سو رہے۔ اتفاق سے آپ انکے ہان تشریف لائے اور یہ قصہ سنکر مسجد مین گئے۔ اور وہان آپ نے حضرت علی کو اٹھایا۔ چونکہ وہ اسوقت فرش زمین پر لیٹے ہوے تھے۔ اور کچھ مٹی بھی جسم سے لگ گئی تھی۔ اسلئے آپنے انکو ابوتراب کا نام دیدیا۔ اس دن سے یہ کنیت ایسی مقبول ہوئی کہ گویا اس کے سوا حضرت علی کی اور کوئی کنیت ہی نہین رہی۔ (بخاری ص۹۲۹)

ایک مرتبہ آپ نے کسی کو ایک اونٹ دینے کا وعدہ کیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ "مین تجھے اونٹنی کا بچہ دیتا ہون"۔ اسپر وہ بگڑا۔ اور اسنے کہا "مین اونٹنی کے بچے کا کیا کرونگا"۔ آپ نے فرمایا "اونٹ اونٹنی کے بچے نہین ہوتے تو کیا ہوتے ہین"۔ وہ شخص آپکا مطلب غلط سمجھا تھا۔ آپنے یونہی ہنسی سے اونٹ کہنے کی بجاے اونٹنی کا بچہ کہدیا تھا۔ اسنے یہ خیال کیا کہ شاید آپنے چھوٹے سے کم عمر بچے کے لئے حکم دیا ہے۔ (شمائل ترمذی ص۱۸)

اسی طرح ایک دفعہ ایک بوڑہی عورت ام زبیر ضدمت بابرکت مین آئین اور آپ سے کہا کہ "یارسول اللہ۔ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت مین جگہ دے"۔ آپنے فرمایا "اے ام زبیر۔ بوڑہی عورتین جنت مین نہین جائینگی"۔ یہ دلشکن جواب سنکر وہ بیچاری بہت مایوس ہوئین۔ اور اُنہون نے پوچھا کہ "کیون بوڑہی عورتون نے کیا کیا ہے کہ وہ جنت مین نہین جائینگی"۔ آپنے فرمایا "تمنے قرآن مین پڑہا نہین کہ اللہ تعالے جنت والیون کو نوجوان اور دوشیزہ پیدا کریگا۔ تو پھر بوڑہیان وہان کیسے جاسکتی ہین"۔ آپکا مطلب یہ تھا کہ انکا بڑہاپا باقی نہ رہیگا۔ اسلئے ان کو اس حالت کے لحاظ سے بوڑہی کہنا درست نہین ہے۔ آپ نے بطور خوش طبعی ام زبیر سے اس طرح فرمایا کہ انکو آپکا مطلب سمجھنے مین مغالطہ ہوا۔ حالانکہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ بالکل درست تھا۔ (شمائل ترمذی ص۱۸)

مگران واقعات سے آپکی شگفتہ مزاجی کے علاوہ آپکی راست گفتاری کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ آپ ہنسی سے بھی غلط بیانی نہین فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار لوگون نے آپسے کہا

"یارسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہین" یہ بات ان لوگون کو آپ سے عجیب معلوم ہوتی تھی۔ آپ نے اسکے جواب مین فرمایا کہ "ہان مگر مین کبھی حق اور صدق کے سوا کچھ نہین کہتا" (شمائل ترمذی ص۱۸) آپنے اپنے متبعین کو سچ کی اتنی تاکید فرمائی ہے کہ مزاح مین بھی جھوٹ بولنے کو منع کیا ہے۔

آپ لوگون کو کھیلنے کودنے۔ اور خوشی منانے سے بھی منع نہین فرماتے تھے۔ کیونکہ آپکو اللہ نے بالکل ٹھیک طور پر بتا دیا تھا کہ فی الحقیقت انسان کے لئے کونسی بات مضر ہے۔ اور کونسی نہین۔ اور آپ کو معلوم تھا کہ نیکی اور پارسائی۔ زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کی منافی نہین ہے۔ اور انبساط روح کے لئے کسیقدر تفریح بھی ضروری ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے کبھی کبھی آپ خود بھی اس مین شریک ہوجاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہتی ہین کہ "ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہان تشریف رکھتے تھے کہ اتنے مین حضرت ابوبکرؓ آگئے۔ وہ عید کا دن تھا۔ اور دو لڑکیان دف گیت گا رہی تھین۔ جو انصار نے جنگ بعاث کے دن جوڑا تھا (یہ لڑائی ہجرت سے تین سال قبل اوس اور خزرج مین ہوئی تھی) ابوبکرؓ نے انکو دیکھکر کہا کہ "یہ شیطان کے باجے ہین" مگر آپ نے کچھ خیال نہ فرمایا۔ تو اُنہون نے دوبارہ یہی کہا اسپر آپ نے فرمایا "اے ابوبکر انکو گانے دو۔ کچھ مت کہو۔ ہر قوم کا کوئی خوشی کا دن ہوتا ہے اور آج کا دن ہمارے لئے عید ہے۔" (بخاری ص۵۵۹)

ایسے ہی بریدہ سے روایت ہے کہ "جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی لڑائی پر تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ واپس آئے۔ تو ایک حبشی لونڈی آئی اسنے کہا "یارسول اللہ مینے نذر مانی تھی کہ جب آپ بخیریت واپس آئینگے تو مین آپ کے سامنے گاؤنگی۔ اور دف (دہول) بجاؤنگی" آپ نے فرمایا کہ "اگر تو نے یہ نذر مانی تھی تو اچھا گا۔ اور بجا۔ ورنہ نہین۔ اس نے گانا بجانا شروع کیا۔ اس اثنار مین حضرت ابوبکر۔ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہم آئے۔ مگر وہ گاتی بجاتی رہی۔ مگر جب حضرت عمرؓ آئے تو وہ ڈر کے مارے جھٹ چپ ہوگئی

اور دف پر بیٹھ گئی۔ (مشکوٰۃ ص۴۷۶)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہین کہ "ایک دن جناب رسالت مآب تشریف فرما تھے کہ ہمنے باہر سے بچون کی آواز سنی۔ آپ نے اُٹھکر دیکھا تو ایک حبشن ناچ گا رہی تھی۔ اور بچے آس پاس کھڑے تھے۔ آپ نے مجھسے بھی کہا" عائشہ آ تماشہ دیکھ" چنانچہ مین آئی اور آپکے دوش مبارک پر ٹھڈی رکھکر کھڑی ہوگئی۔ اور آپ کی آڑ مین سے دیکھتی رہی۔ آپنے مجھسے کئی بار پوچھا کہ "اچھی طرح دل بھر کر دیکھ لیا یا نہین" مینے کہا "نہین" بات یہ تھی کہ مین تماشے سے زیادہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ کے دل مین میرا خیال اور محبت کسقدر ہے۔ اتنے مین حضرت عمرؓ آگئے۔ تو سب لوگ منتشر ہوگئے (ترمذی ص۵۲۹)

آپ اعدا کی آزار رسانی اور تکلیف دہی کو بھی اسی شگفتہ مزاجی سے برداشت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "دیکھو اللہ نے مجھے قریش کی گالیون اور کوسنے سے کیسا بچایا ہے۔ وہ لوگ مجھے مُذَمَّم (یعنی برا۔ قابل مذمت) کہکر بددعائین دیتے ہین۔ حالانکہ مین محمدؐ (اچھا اور قابل تعریف) ہون" (مشکوٰۃ ص۴۳۹) یعنی جب وہ مُذَمَّم کو کوستے ہین تو جو مُذَمَّم ہوگا۔ اسی کو وہ کوسنا لگتا ہوگا۔ اور وہی انکی گالیون کا بُرا مانتا ہوگا ہم مُذَمَّم ہین ہی نہین۔ ہم تو محمد ہین۔ یون اللہ ہمکو ان کی بدزبانیون سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ ہم کو محمد سمجھ لین۔ تو پھر برا ہی کیون کہین۔

ان مثالون سے جہان آپکی شگفتہ مزاجی معلوم ہوتی ہے وہین اس مین آپ کے اعتدال اور میانہ روی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور ہم کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہم کو آپس مین کیسے تعلقات رکھنے چاہئین۔ اور اگر ایک دوسرے سے مذاق کرین تو کس حد تک اگر ہر وقت منہ پھلائے رکھنا اچھا نہین۔ تو یقیناً ہر وقت کی دل لگی بھی مناسب نہین آدمی کو نہ ایسا ہونا چاہیے کہ "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" کا مصداق ہو۔ اور نہ ایسا کہ لوگ اسکی ہر وقت کی چھیڑ خانی اور ہنسی مذاق سے تنگ آجائین۔ چنانچہ آپنے فرمایا ہے کہ

"خبردار بہت ہنسنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اس سے دل مرجاتا ہے۔ اور چہرے کا نور جاتا رہتا ہے" (مشکوٰۃ ص۳۵۳) اور ایک اور حدیث ہے کہ "افسوس اس شخص پر جو لوگون کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتین بنائے" (مشکوٰۃ ص۳۵۲)

اتباع سنت اور ہم

مسلمانون کو شروع سے اس بات پر ناز رہا ہے کہ جس سچی محبت اور دلی عقیدت سے اُنہون نے اپنے مخبر صادق جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے حالات و روایات کو محفوظ رکھا ہے۔ اور جس احتیاط اور التزام سے وہ آپکی احادیث وسنن پر چلنے کی کوشش کرتے ہین۔ اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب مین نہین ملسکتی۔ بلاشبہ انکا یہ ناز بجا اور یہ فخر زیبا ہے۔ اب اس گئے گذرے زمانہ مین بھی باوجودیکہ الحاد وارتداد کا اسقدر زور ہے تاہم غالباً دنیا کے پردے پر کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا جسکے دل و دماغ کے کسی نہ کسی کونے مین آنجناب کی محبت اور عظمت کا کچھ مٹا مٹایا سا نشان تک باقی نہ رہا ہو اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص ہو تو اسکے تمام ادعائے اسلام کے باوجود بھی اسے قطعاً مسلمان نہین کہہ سکتے کیونکہ عقیدۂ توحید کے بعد جو فی الجملہ اور اقوام عالم مین بھی کسی نہ کسی صورت مین پایا جاتا ہے مسلمانون کا مایۂ ناز و نشان امتیاز صرف محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور اگر یہ نہین۔ تو یقیناً کچھ بھی نہین۔ اور اسکے سامنے مذہب کا نام لینا ہی فضول ہے۔ بہرکیف یہی محبت اتباع سنت کی سب سے بڑی محرک ہے۔ اور اتباع سنت ہی اس محبت کی سب سے بہتر علامت ہے۔ کیونکہ اگر محبوب کی ہر ایک ادا محبوب نہین ہے۔ تو محبت کا دعوی جھوٹا اور غلط ہے مجنون اپنی لیلی کی مشابہت کی وجہ سے آہوان صحرا پر قربان ہوتا ہے۔ اور اس کی ادنےٰ ملابست کے سبب سے سگِ لیلیٰ کو چومتا ہے۔ اور یہی اسکے مجنونِ محبت اور مفتونِ الفت ہونیکا ثبوت ہے۔ اسلئے اگر اتباع سنت کی غایت و غرض صرف اثبات محبت

ہی ہو تب بھی حضور سرور کائینات خلاصۂ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی ہر ایک بات واجب التقلید ہے۔ لیکن ہم کو تو اس کی بدولت اس سے بھی زیادہ حوصلہ افزا امید ہین ہمکو تو یقین واثق ہے کہ اگر ہمکو اللہ اس کی توفیق دے تو ہم محب رسول ہو کر محبوب خدا بنجا ئین۔ کیونکہ وعدۂ صادقہ ہے کہ۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران ع)

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔

اب یہان دیکھنا یہ چاہیئے کہ اتباع سنت کے کیا معنی ہین۔ مگر معاف کیجیے قطع کلام ہوتا ہے۔ مجھے یہین یہ جملہ معترضہ بھی کہدینا چاہیئے۔ کہ میرا روئے سخن صرف انہی اصحاب کی طرف ہے جن کے دل مین کچھ مذہبی حمیت اور اسلام کی محبت باقی ہے۔ اور یہان میرا خطاب ان لوگون سے نہین ہے۔ جو سرے سے مذہب کو ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی کا مرادف اور اخلاق اور نیکی کو حظ النفس اور نفع ذات کا ہم معنی سمجھتے ہین۔ کیونکہ جہان فرائض کی فرضیت سے ہی انکار ہو وہان اتباع سنن کب مستحب ہو سکتا ہے۔ اسلیئے مین انسے قطع نظر کرتا ہون۔

ہان تو اب یہان یہ دیکھنا ہے کہ اتباع سنت کے کیا معنی ہین۔ میرے خیال مین اسکے معنی تو صاف ہین۔ اور انکے سمجھنے مین تو کچھ دقت نہین ہوئی۔ البتہ چونکہ اس پر عمل کرنا ذرا آسان نہ تھا۔ اسلیئے اس مین تساہل اور تغافل سے کام لیا گیا۔ بلا شبہ بالعموم مسلمان بہت سی باتون مین سنت نبوی پر چلتے ہین۔ یا کم سے کم چلتے تھے۔ جب تک کہ انہون نے ایمان کو نفاق کے عوض اور اخلاص کو ریا کے بدلے نہین دیا تھا۔ لیکن کیا سنت نبوی کی پیروی فقط یہی ہے۔ کہ پنج وقتہ نماز کے ساتھ دو چار رکعتین اور پڑھ لیجائین۔ کیونکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا ہے۔ یا یہ کہ لبین ترشوا لیجائین۔ یا پائچون کو ٹخنون سے اونچا رکھا جائے۔ یا دوپہر کو قیلولہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات

کی وضع تھی۔ بلاشبہ یہ باتین بھی اچھی ہین۔ کیونکہ آنجناب کی تقلید جسقدر چھوٹی سے چھوٹی اور جزوی سے جزوی بات مین بھی ہو سکے عین سعادت ہے۔ مگر دنیا مین ہمیشہ پھول پتون سے پہلے جڑ اور تنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور عمارت سے پہلے اسکے نقش و نگار کا وجود ممکن نہین ہوتا۔ فرع اور اصل کا جو تعلق ان باتون مین ہے۔ وہی مذہب مین بھی ہے۔ اور اتباع سنن بھی اس سے مستثنےٰ نہین ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ محض ظاہری وضع وصورت مین آنجناب کی تقلید کرنا۔ اور اخلاق حسنہ اور خصائل جمیلہ مین آپکا اتباع نہ کرنا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے جڑ کے بغیر پھول یا مکان کے بغیر نقش و نگار کا خیال کیا جائے۔

انسان کے نقطۂ خیال سے اشیائے عالم کے مفید ہونے کی دو ہی صورتین ہو سکتی ہین یا تو یہ کہ وہ اشیا خود ہی مقصود بالذات ہون جیسے غلہ کہ آدمی کو ہر حال مین اس کی ضرورت رہتی ہے۔ یا یہ کہ وہ اگرچہ بذات خود تو کچھ مفید اور کار آمد نہون۔ لیکن اشیاء مرغوبہ کے حصول کا واسطہ اور ذریعہ بن سکتی ہون۔ جیسے روپیہ کہ وہ بذات خود محض بیکار چیز ہے۔ مگر چونکہ اس سے ضروری چیزین حاصل کیجا سکتی ہین۔ اسلئے وہ بھی ضروری سمجھا جانے لگا۔ انسان کی ساری کوششین بہر حال انہی دونون قسمون کے حصول پر مصروف رہتی ہین۔ اور اس کی تمام تگ و دو انہی کے دائرے مین محدود ہوتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال نیکی کا بھی ہے۔ بعض نیکیان تو مقصود بالذات ہین جیسے سچائی۔ انصاف۔ شفقت۔ اطاعت وغیرہ اور بعض انکے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ جیسے نماز کا قیام وقعود۔ یا روزہ مین ترک آب ودانہ وغیرہ۔ غرض ہم تعمیم کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہین کہ اخلاقی خوبیان مقصود بالذات ہین۔ اور مذہبی عبادتین انکے حاصل کرنے کا طریقہ اور واسطہ۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان عبادات ظاہری کی ضرورت اور فرضیت مین کچھ کمی ہو جاتی ہے ہرگز نہین۔ غالباً اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ فی نفسہ روپیہ بالکل نکمی چیز ہے کیونکہ آدمی خود اسے نہ کھا سکتا ہے نہ پہن سکتا ہے۔ نہ وہ کسی درد کی دوا ہے۔ نہ کسی مرض کا علاج۔ لیکن کیا اس سے اس کی قیمت یا حاجت کچھ کم ہو جاتی ہے۔ حقیقت مین عبادتون کی معقولیت کا مطلب ہی یہ ہے

کہ انکا کوئی نمایان اور عملی فائدہ ہو۔ اور خواہ اور مذاہب نے انکی اس حقیقت کو سمجھا ہو یا نہین اسلام نے تو بالکل صاف طور پر اس کا اعلان کردیا ہے۔ چنانچہ نماز کا جہان حکم دیا ہے۔ وہین اس کی غایت اور غرض بھی بتا دی ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ط (عنکبوت ع ۵)

بیشک نماز ناپسندیدہ اور مکروہ باتون سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا یاد کرنا زیادہ بڑی بات ہے

احادیث نبوی سے اس فرمان کی اور بھی زیادہ وضاحت اور صراحت ہوگئی ہے چنانچہ اس ضمن مین یہ ارشاد خاص طور پر قابل غور ہین۔

مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا (احیاء العلوم ص۱۴۲ جزو اول)

جس شخص کو اس کی نماز نے ناپسندیدہ اور مکروہ باتون سے نہ روکا اسے اللہ سے اور بھی زیادہ دور کردیا۔

كَمْ مِنْ قَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صَلٰوتِهِ التَّعَبُ وَالنَّصَبُ (احیاء العلوم ص۱۴۳ جزو اول)

بہت سے ایسے قیام کرنے والے ہین کہ انکی نماز سے انکو بجز کوفت اور تکلیف کے اور کچھ حاصل نہین۔

لَيْسَ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلٰوتِهِ إِلَّا مَا عَقَلَ مِنْهَا (احیاء العلوم ص۱۴۳ جزو اول)

بندے کیلئے اسکی نماز مین سے وہی ہے جو اسنے سمجھکر کیا (یعنی اگر بے سمجھے ادا کی تو اس سے کچھ نتیجہ نہین)

إِنَّمَا الصَّلٰوةُ تَمَسْكُنٌ وَتَوَاضُعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَبَاؤُسٌ وَتَنَادُمٌ (احیاء العلوم ص۱۴۳ جزو اول)

بیشک نماز خاکساری اور تواضع اور گریہ وزاری اور شرمساری ہے۔

اسی طرح جہان روزہ کی فرضیت کا ارشاد ہوا ہے وہین یہ بھی کہدیا گیا ہے کہ۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط (بقر ع ۲۳)

تاکہ تم گنتی کو پورا کرو۔ اور اللہ نے جو سیدہا راستہ تمکو دکھایا ہے اسپر اسکی بزرگی بیان کرو اور شاید کہ تم اسکا اس احسان پر شکر ادا کرو

اور جناب رسالت مآب نے یہ فرماکر اس حکم کو اور زیادہ صاف کردیا ہے کہ

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (بخاری)

جو شخص قولاً و فعلاً جھوٹ نہین چھوڑتا اللہ کو اسکے کھانا پینا چھوڑنے کی ضرورت نہین۔

حقیقت یہ ہے کہ جو نماز۔ روزہ مقصود بالذات ہین وہ محض ارکان ظاہری ہین محدود ہین ہی نہین۔ بلکہ وہ ان تمام محاسن باطنی پر بھی حاوی ہین جنپر تمام صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ کا انحصار ہے۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان چیزون کے مقصود بالذات ہونیکی نسبت ہمنے جو کچھ کہا ہے وہ نسبتی ہے۔ یعنی گو غلہ اگرچہ روپیہ کے مقابلہ مین مقصود بالذات ہے مگر حقیقت مین وہ بھی صرف غلہ ہونے کی وجہہ سے مطلوب نہین۔ بلکہ اسلئے مطلوب ہے کہ وہ مدار صحت ہے۔ اور صحت بنا ر حیات ہے اور قیام حیات ہماری ساری جسمانی اور مادی کوشش۔ اور کشمکش کا غایت الآمال ہے اس طرح اگرچہ اعمال و عبادات ظاہری کے مقابلے مین اخلاقی نیکیان مقصود بالذات ہین۔ مگر خود ان کی ضرورت تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن کے لئے ہے۔ اور دل کی پاکیزگی اور نفس کی صفائی معرفت الٰہی۔ اور تقرب ربانی کی طرف راہبر ہے۔ اور یہی ہماری تمام روحانی ترقی اور باطنی اصلاح کا معراج کمال ہے۔ اور یہی وہ بے بہا انعام ہے جسکا اتباع سنت کے صلے مین ہمسے وعدہ کیا گیا ہے۔ اسلئے یہ ارشاد ہوا ہے کہ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف ع ۱۲)

پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کا آرزومند ہے اسے چاہئے کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے اللہ کی عبادت مین کسی کو شریک نہ بنائے۔

مگر غور کیجئے کہ کیا یہ انعام ہم کو کسی رسمی عبادت سے ملسکتا ہے کیا اس صلے کے ہم کسی جسمانی ریاضت سے مستحق ہو سکتے ہین۔ کیا اس اعلیٰ علیین تک ہم محض ظاہری اتباع سنت سے پہنچ سکتے ہین۔ کیا یہ روحانی کمال سرسری نمائش اعمال کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ حاشا و کلا۔ یہ کسی طرح ممکن نہین اس کیلئے اطمینان قلب کی ضرورت ہے۔ جو کامل اخلاقی اعتدال کے بغیر پیدا نہین ہو سکتا اور کامل اعتدال کی بہترین مثال وہ ہے جس کا کچھ سرسری سا خاکہ ہمنے گزشتہ اوراق مین پیش کیا ہے۔ پس اگر ہمارا نصب العین یہی ہے۔ اگر ہم سچے دل سے مذہب کو مانتے ہین۔ اگر ہم خلوص

سے سنت نبوی پر چلنا چاہتے ہین۔ یعنی بہ الفاظ دیگر اگر ہم سچ مچ اپنے خدا سے ملنے کے آرزومند
ہین۔ تو ہم کو اپنے آپ مین اخلاقی خوبیان پیدا کرنی چاہئین۔ جو آپ کی ہر ایک بات مین
مضمر تھین۔ اور جنھون نے آپکو بہترین مخلوقات بنا دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ہم اس درجے
تک کسی طرح بھی نہین پہنچ سکتے۔ ہان ہم مانتے ہین کہ ذرہ آفتاب نہین بن سکتا۔ پھر بھی جو
ذرہ آفتاب کی ضو مین آتا ہے وہ آفتاب نہین تو تارے کی طرح چمکنے ہی لگتا ہے۔ لیکن
جو ذرہ آفتاب کی طرف رخ ہی نہین کرتا۔ اس کو ازلی سیاہ روئی اور دائمی تیرہ بختی کے
سوا اور کیا نصیب ہو سکتا ہے۔ غالب مرحوم نے خوب کہا ہے۔

گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد گفت محال ؛ گفتمش کوشش من در طلبش گفت رواست

بہرحال اس ظلمت پسند ذرے کی سیاہ روئی تو اسی کے افعال کا نتیجہ ہے مگر ظلم تو
یہ ہے کہ وہ اپنی تیرہ بختی سے نور آفتاب عالمتاب کو بدنام کرتا ہے جبکہ اس کو کچھ حق نہین۔
کیونکہ وہ خود اس سے روگردان ہے۔ خیال کیجئے کہ کیا ہم جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ
والتحیات پر اس سے بڑا کوئی الزام لگا سکتے ہین کہ ہم چند آسان اور سرسری سی باتین لیکر تمام
سنت نبوی کو انہی مین محدود سمجھین۔ اور صرف انہی کے اتباع کا التزام کرکے عملاً دنیا کو
یہ دکھائین۔ کہ گویا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری خوبیون کا خلاصہ یہی ہین
میرے خیال مین آپ کی شان مین اس سے بڑھکر کوئی گستاخی اور بے ادبی نہین ہو سکتی۔ مین
یہ کہتا ہون کہ اس سے اعمال ظاہری کا استخفاف مدنظر نہین ہے۔ لیکن پھر بھی یہ تو بدیہی
بات ہے کہ مذہبی حیثیت سے یہ اعمال جسمانی اور افعال ظاہری مقصود بالذات نہین
ہین۔ اور اگر ان کی اصلی غایت وغرض سے قطع نظر کر لی جائے تو یقیناً وہ بے معنی اور
مہمل ہو جاتے ہین۔ سچ ہے۔

دل آگاہ می باید وگرنہ ؛
گدا یک لحظہ بے نام خدا نیست

مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کو اس پر زور پیرائے مین بیان کیا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است ٭ از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آزر است ٭ دل گزرگاہ جلیل اکبر است
کعبۂ کوران ز آب و گل بود ٭ کعبۂ روشن ضمیران دل بود

انصاف شرط ہے۔ کیا اتباع سنت یہی ہے کہ ہم خوان پر کھانا کھانے سے تو پرہیز کرین۔ کیونکہ آپ نے کبھی ایسا نہین کیا۔ لیکن اس بات کا کبھی بھولے سے بھی خیال نکرین کہ آپکی غذا بالعموم کیا تھی۔ اور جو کچھ تھی وہ کس وجہہ سے تھی۔ چمچے کے استعمال سے تو اتنا احتراز۔ مگر کھانا لذیذ سے لذیذ اور پر تکلف سے پر تکلف حلق تک ٹھونس لینا اور اپنے غریب بھائیون اور فاقہ زدہ ہمسایون سے ایسی لاپروائی اور بے اعتنائی برتنا گویا وہ آدمی ہی نہین ہین کیا یہ سنت نبوی کا منہ چڑانا نہین ہے۔ اسی طرح اگر پائنچے ٹخنے سے ذرا نیچے ہو جائین تو ان پر تو اتنا اعتراض ہو۔ لیکن اسکے سوا اگر لباس کبر و نخوت کا سبب یا ریا و نمائش کا ذریعہ بنجائے تو کچھ نہین۔ میرے خیال مین یہ صحیح طور پر سنت کی پیروی نہین ہے۔ بلاشبہ آپ کا طرز عمل یہی تھا۔ لیکن یقیناً یہ باتین مقصود بالذات نہین تھین۔ اسلئے دیکھنا یہ چاہئے کہ آپ ایسا کرتے کیون تھے۔ اگر آپ اب تک نہین سمجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے محاسن اخلاق کا علم نہین ہے۔ اور آپ نے اس کتاب کے گزشتہ باب نہین پڑھے ہین۔ اسلئے پھر ورق گردانی کیجئے۔ اور دیکھئے کہ ان باتون سے آپکا مدعا کیا تھا۔ یہ کہ آپ کی طرح آپ کے متبعین مین بھی صبر و شکر۔ سخاوت و مروت۔ ایثار و ہمدردی جفاکشی اور نہ فاشعاری کی صفات محمود پیدا ہو جائین۔ اور غرور و تکبر۔ حسد و ہوس۔ خودنمائی اور خود پسندی۔ شکم پروری اور تن آسانی وغیرہ خصائل مذمومہ کا انسداد ہو سکے۔ اب اگر ہم مین وہ باتین ہین اور یہ نہین ہین تو ہمارا جس طرح جی چاہے کھانا کھائین۔ اور کپڑا پہنین۔ اصلی مقصود حاصل ہو گیا۔ اور اگر یہ نہین ہے تو خوان اور چمچے کے ساتھ اگر ہاتھون کا استعمال بھی ترک

کر دین۔ یا پائنچون کو ٹخنون سے کیا گھٹنون سے بھی اوپر چڑھالین۔ تب بھی تیجہ ہیچ۔ اگر اتباع سنت معلوم۔ ہان البتہ اگر یہ اخلاقی خوبیان حاصل کرنے کے بعد پھر بہ مزید ادب و احتیاط و بہ فرط محبت وعقیدت آپکی اس وضع ظاہری کی بھی تقلید کیجائے تو کیا کہنا۔ نورٌ علی نور۔ تب یہ پیچ مچ کا اتباع سنت ہو۔ خدا اس کی توفیق سب کو دے۔

یہی کیفیت نماز روزے کی بھی ہے۔ شاید مجھے یہ نہ کہنا چاہیئے کہ نماز روزہ باوجود اپن شدت تاکید مقصود بالذات نہین ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رسمی روزہ نماز اصل مین روزہ نماز ہے ہی نہین۔ صوم وصلوٰۃ کی جو تعریف خدا اور رسول نے فرمائی ہے۔ وہ اسپر منطبق ہی نہین ہوتی۔ وہ تزکیۂ نفس وتصفیۂ باطن کا بہترین راستہ ہین۔ اور اس مین قیام وقعود اور ترک آب ونان کے سوا اور کچھ بھی خوبی نہین۔ اسلئے وہ بلاشبہ مقصود بالذات ہین۔ لیکن ان کے برخلاف اس کی یہ حالت ہے کہ بقول غالب مرحوم۔

تن بپروری خلق فزون شد ز ریاضت ؛ جز گرمئ افطار نہ دارد رمضان ہیچ

کیا یہ مناسب ہے کہ نماز پڑھین۔ مگر برائیون سے باز نہ آئین۔ روزے رکھین۔ مگر اس سے صبر وحلم کی بجائے حرص وہوس اور غصہ اور بدمزاجی پیدا ہو جائے۔ حالانکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہمکو یہ بتاتی ہے کہ ایک غیبت سے روزہ اور نماز اور وضو سب کچھ فاسد ہو جاتا ہے۔ کیاہم ایسے ہی نماز روزے کے ثواب کی امید رکھتے ہین اور اسی کو اتباع سنت سمجھتے ہین۔ اس مین فرا بھی شک نہین کہ اسلام کی مقرر کردہ عبادتین انسان کو اسکے مقصد حیات تک پہنچانے کیلئے بہترین اور قریب ترین راستہ بتاتی ہین۔ اسلئے ان سے اعراض کرنا نہایت ہی سخت غلطی اور بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ لیکن بہ ظاہر اس صراط مستقیم پر چلنا۔ مگر فی الواقع بدستون کی طرح وہین پاؤن ٹپک ٹپک کر رہجانا اور اپنے مقصود اصلی کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنا اس سے بھی بڑا قصور اور اس سے بھی بدترین جرم ہے۔ لسان العصر اکبر نے خوب کہا ہے۔

وہ بھی نادان ہے جو خضر کا طالب نہوا ؛ وہ بھی گمراہ ہے جو خضر کو منزل سمجھا

ہمارے ہاں خدا کے فضل سے ایسے بزرگ تو اب بھی بہت ملجائینگے۔ جو ہمیشہ روزے رکھتے ہین۔ اور جنکی نماز کبھی قضا نہین ہوتی۔ اور جو اور طرح طرح کی ریاضتین کرتے ہین۔ لیکن ان مین ایسے اصحاب بہت کم ہونگے جن کو اپنے گھر مین کوئی خلاف طبع واقعہ پیش آجانے پر غصہ نہ آتا ہو۔ جو اپنے خادم پر خفا نہ ہوتے ہون۔ جو کسی محبوب امر مین اپنے بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہون۔ اور جو اپنی نکوکاری پر مغرور ہوکر کسی دوسرے کو حقیر نہ سمجھتے ہون۔ مین یہ نہین کہتا کہ ایسے لوگ ہین ہی نہین۔ خدا کے بندے ایک سے ایک بہتر و برتر ہین۔ مگر ہان انکی کمی بہت ہے۔ اور چونکہ ہم خود ایسے نہین ہین۔ اسلئے غالباً ہم کو وہ کہین نظر بھی نہین آتے۔ لیکن اتباع سنت یہ ہے کہ ہم مین سے ہر ایک ایسا اور اس سے بھی اچھا ہو جائے۔

مگر زیادہ قابل افسوس حالت تو طبقۂ جدید کی ہے۔ مصلحان قوم نے محاسن باطنی پیدا کرنے کے لئے رسمی عبادتون اور ظاہری قیدون کی اہمیت کو گھٹایا تھا۔ ہماری بدقسمتی سے یہ تو مٹ گئین مگر وہ پیدا نہ ہوئین۔ ازین سو رانده و ازان سو درمانده۔ ان بزرگون پر تو یہ اعتراض ہے کہ ان مین ظاہر داری زیادہ اور حقیقی نیکیان کم تھین۔ مگر اب ہمسے تو وہ حقیقی نیکیان بھی کوسون دور ہین اور اسلام کی ظاہری شان کا بھی پتا نہین۔ آجکل تو حالت یہ ہے کہ

وضع مین طرز مین اخلاق مین سیرت مین کہین ؛ نظر آتے نہین کچھ حرمت دین کے آثار

البتہ اس سارے غل شور کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوانان وطن نے مذہب کو کھو کر قوم اور ملک کا نام سیکھا ہے مگر وہ اتنا نہین سوچتے کہ قوم کا تو وجود ہی مذہب سے ہوا ہے۔ اور ملک مسلمانون کا اب کوئی باقی نہین رہا جن خوش نصیبون کو خدا نے یہ بے بہا نعمتین دی ہین۔ وہ چاہین تو اپنے مذہب کو ان پر قربان کردین۔ یا اپنی حسن تدبیر سے اسے بھی سنبھال لین اور انکو بھی۔ مگر مسلمانون کے پاس تو لے دیکر اسلام ہی کا نام رہگیا ہے اور اگر یہ بھی گیا تو پھر ایسے سیل حوادث مین کاروان رفتہ کے اس مٹے مٹائے نقش قدم کا باقی رہنا معلوم۔

اے نفس خواب غفلت سے بیدار ہو۔ نشۂ نخوت سے ہوش مین آ۔ آخر یہ بیخودی کب تک۔ یہ حق ناشناسی تا کے۔ وہ وقت بہت قریب ہے جب تجھے بارگاہ احکم الحاکمین مین حاضر ہونا ہوگا۔ جہان تجھے اپنی زندگی بھر کے

ایک ایک کام - ایک ایک خیال - ایک ایک نیت کا ذرا ذرا حساب دینا پڑیگا - جہان تیرے اعضا وجوارح تیرے خلاف شہادت دینگے - جہان تیرے مخفی ارادے اور پوشیدہ مدعا ظاہر ہو جائینگے اور ریا اور تصنع کا پردہ اُٹھ جائیگا - جہان اعمال وافعال اپنی اصلی حالت مین نظر آئینگے - اور ان کی ٹھیک قیمت لگائی جائیگی -

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (انبیا ع)	اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ ہوگا تو ہم آسے آئینگے - اور ہم نہایت عمدہ حساب کرنیوالے ہین -

تو خود ہی سچے دل سے انصاف کر اور دیکھ - کیا تو اس دن کی جوابدہی کے لئے تیار ہے - کیا تو اس عدالت کی بازپرس سے بیخوف ہے - تو اسکا جواب آج نہین دے - کیونکہ وہان بھی تیرا نامۂ اعمال تیرے ہاتھ مین دیا جائیگا - اور تجھسے ہی انصاف چاہا جائیگا -

اِقْرَاْ كِتَابَكَ ج كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل ع)	تو اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے - آج تو ہی خود اپنے لئے سب سے اچھا حساب کرنیوالا ہے -

تو اپنے مال وجمال پر مغرور ہے - اپنی دولت وثروت پر فریفتہ ہے - اپنی طاقت اور حکومت کا دلدادہ ہے اپنے علم وعمل پر نازان ہے - یہ سب حیات دنیوی کی دلاویزیان اور نظر فریبیان ہین - تجھے اپنے تقوے اور پارسائی پر غرہ ہے - اپنی نکوکاری اور پرہیزگاری کا گھمنڈ ہے - اپنے حسن اعمال اور کثرت عبادت پر بھروسہ ہے - اپنی شب بیداری اور اطاعت گزاری پر اعتماد ہے - یہ اچھے کام ہین - خدا قبول کرے - مگر کیا تجھکو یقین ہے کہ یہ سب عمل اغراض نفسانی کی آمیزش سے پاک اور نمود ونمائش کی آلائش سے مبرا ہین - اور ان مین شہرت طلبی اور جاہ پرستی کا مطلق شائبہ نہین ہے - کیا تجھکو اطمینان ہے کہ پابندی صوم وصلوۃ نے تجھ مین خود پسندی اور خود ستائی پیدا نہین کی - اور تو نے اپنے زہد وطاعت کے زعم مین کسی دوسرے کو حقیر نہین سمجھا - اپنے آپکو اچھی طرح دیکھ اور یقین کرلے کہ اگر ان مین سے کوئی برائی بھی تجھ مین موجود ہے تو تیرے عمل ناقص اور تیری عبادتین ناقابل قبول ہین - بارگاہ رب العزت مین ان چیزون کی کچھ قدر نہین - وہان فقط ایک بات دیکھی جاتی ہے - اور وہ خلوص ہے - اگر تو نے جو کچھ کیا ہے خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے تو تیرا اُٹھنا بیٹھنا - کھانا پینا

سوناجاگنا غرض ہر ایک کام عبادت مین داخل ہے۔ اور اگر خدانخواستہ تجھ مین خلوص نہین ہے تو تیرے تمام اعمال بیکار ہین نہ تونے کوئی فرض ادا کیا نہ کسی سنت کی پیروی کی۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا ہے کہ

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (رعد ع ۲)

اور بیشک تیرا پروردگار اپنے بندون کی زیادتیون کے باوجود بھی انکو بہت بخشنے والا ہے۔ اور بیشک تیرا پروردگار کا عذاب بھی بڑا سخت ہے

وہان غلطیون پر پکڑ نہین ہوگی آدمی سے غلطیان تو ہوتی ہی ہین۔ وہان لغزشون پر گرفت نہ کیجائیگی لغزش سے تو انسان کا خمیر ہوا ہے۔ اگر ان پر سزا دیگئی تو کہین ٹھکانہ ہی نہین۔ مگر وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ ہان اسکی سند نہین کہ جان بوجھ کر پھسلین اور سنبھلنے کی کوشش نہ کرین۔ دیدہ و دانستہ غلطیان کرین اور انسے باز نہ آئین۔ اتباع سنت کے دعوے تو بڑے لمبے چوڑے ہون مگر اخلاق نبوی کے اختیار کرنیکا کبھی ارادہ تک نہ کیا جائے۔ ارکان مذہبی کی ظاہری پابندی تو بڑے شد و مد سے کیجائے لیکن دل مین صداقت اور خلوص کا نشان تک نہو۔ لیکن معاف کیجئے مین کیا کہہ رہا ہون اور کیا لکھ رہا ہون مجھے شرم آنی چاہئے کہ مین صداقت اور خلوص کا نام لیتا ہون جبکہ خود مجھ مین انکا نام و نشان بھی نہین۔ جو نگاہ مینے دوسرون کی نکتہ چینی کیلئے اٹھائی تھی اتفاق سے وہ خود میرے ہی افعال پر جا پڑی۔ اور مینے نہایت حسرت و افسوس سے دیکھا کہ مین جو کچھ کہہ رہا ہون اور جو کچھ لکھ رہا ہون اگرچہ وہ صداقت او خلوص پر ہے۔ لیکن حیف کہ صداقت او خلوص سے معرا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس مین بھی میری کیا کیا ذاتی غرضین کون کون سی نفسانی خواہشین مضمر او مستتر ہین سچ ہے کہ کہنا بہت آسان ہے مگر کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر اس سے زیادہ دو روئی کو میری طبیعت بھی گوارا نہین کرتی اسلئے اس دعا پر ختم کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہون کہ اللہ آپکو اپنے فضل و کرم سے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی سچی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مجھے بھی اسکی برکت سے محروم نہ رکھے۔ آمین

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (ال عمران ع ۲۰)

اے ہمارے پروردگار ہمنے ایک منادی کو سنا جو کہ وہ ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے پس اے پروردگار ہمارے قصور معاف فرما اور ہمارے گناہ دور کر۔ اور ہمکو نیکون کے ساتھ موت دے۔ اور اے پروردگار جو کچھ تو نے اپنے پیغمبرون کے ذریعے سے ہمارے لئے وعدے کئے ہین ہمکو نصیب کر اور قیامت کے دن ہمکو ذلیل و رسوا نہ کیجیو بیشک تو کبھی [illegible]

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

گزارش

سرسری طور پر کتابون کے حوالے تو مین نے پہلے بھی ہر ایک روایت کے ساتھ دیدیے تھے۔ مگر اپنے فاضل اور مکرم دوست جناب ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب بجنوری بالقابہم کے ایماسے ہینے صفحات کے نشان بھی دیدیے ہین۔ اور یہان ان خاص کتابون کے سال و مقام طبع وغیرہ بھی لکھے دیتا ہون۔ تاکہ اگر ارباب ذوق تصدیق کرنا چاہین۔ تو انکو آسانی ہو۔ اگرچہ ملک کے عام مذاق سے اس بات کی امید نہین کہ کوئی صاحب اتنی زحمت گوارا کرین۔ لیکن خیر اس کتاب مین مندرجہ ذیل کتابون سے استشہاد کیا ہے۔

صحیح بخاری .... مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۲ھ

ترمذی مع شمائل ..... مطبوعہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۷ھ

شمائل ترمذی ...... مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

مشکوۃ المصابیح ..... مطبوعہ مطبع نظامی دہلی ۱۳۲۷ھ

شفائے قاضی عیاض مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ بہ تصحیح مولوی احمد حسن مرادآبادی

خصائص کبریٰ للسیوطی مطبوعہ مطبع مجلس دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۹ھ

شرح ملا علی قاری .... مطبوعہ مصر

سیرت ابن ہشام ... مطبوعہ مصر

تفسیر خازن ..... مطبوعہ مصر

احیاء العلوم ...... مطبوعہ مصر

اسی موقع پر مین اپنے مکرم دوست مولانا مولوی نذیر الدین احمد صاحب مہتمم مدرسہ سلیمانیہ بھوپال کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہون۔ جو اس کتاب کی تالیف و ترتیب مین اول سے آخر تک میرے معاون و مددگار رہے۔ اور مجھے اس امر واقعی کے اظہار مین ذرا بھی تامل نہین کہ

اگر ان کی اعانت نہ ہوتی۔ تو مین اس کام کو مشکل سے انجام دیسکتا۔ اسلئے اگر مصنف کتاب کی محنت کچھ بھی مشکور ہو تو یقیناً مجھسے زیادہ صاحب موصوف قابل تحسین و مستحق آفرین ہین۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ٥

مفتی محمد انوار الحق عفی عنہ

قطعہ تاریخ جناب منشی سید اظفر حسین صاحب منتظر امروہوی کاتب کتاب ہذا

سعی انوار حق نے دکھلائی	دین حق کی تمام تر تہذیب
لکھے اوصاف کل محمدؐ کے	اہل ایمان کو تاکہ ہو ترغیب
فخر مجھکو ملا کتابت کا	ورنہ ایسے کہان تھے میرے نصیب
سچ تو یہ ہے کلام حق سی ہین	اس کے مضمون بہت قریب قریب
نسخۂ کیمیا سے بڑھکر ہے	لین سبق اس سے جسقدر ہین ادیب
حق تو یہ ہے کہ ہر مرض کیلئے	ہے یہ اک نسخۂ عجیب و غریب

منتظر لکھ یہ مصرعہ تاریخ

نور ایمان کا ہے ذکر حبیب

۱۳۳۶ھ

"حقائق اسلام" کے متعلق اکابر ملک کی رائین اور خطوط

عالیجناب حضرت لسان العصر خان بہادر مولانا مولوی سید اکبر حسین صاحب اکبر

جناب والا۔ آپ کی کتاب نے مجھکو آپ سے ملنے کا بیحد آرزومند کردیا۔ ریاست بھوپال کی خوش اقبالی ہے کہ آپ سا بزرگ اسکو مل گیا ہے۔ آپ کے مضامین جوش دل سے نکلے ہین۔ کتنے صاف اور نیچرل۔ سبحان اللہ۔ اس سے بہتر بیان مینے ابتک نہین دیکھا۔ نصف سے زیادہ مین حرف بحرف پڑھ چکا ہون۔ یہ سبق نہین جسکو حافظے نے رٹ دیا ہو۔ یا قلم نے نقل کردیا ہو۔ یہ موجین ہین جو دل پر اٹھتی ہین اور روح کو سیراب کرتی ہین۔ یہ شرح صدر آپکو مبارک ہو۔ افسوس کہ بیمار و ناتوان ہون۔ ورنہ حاضر خدمت رہ کر فیضیاب ہوتا۔ زندہ رہا تو پھر بھی مراسلت ہوگی۔

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۵ رجولائی ۱۹۱۶ء

(چنانچہ الحمد للہ کہ مراسلت جاری رہی۔ اور حضرت ممدوح نے باوجود ضعف وپیری وقتاً فوقتاً اپنے بزرگانہ ارشادات سے خاکسار کی ہمت افزائی اور رہنمائی فرمائی۔ میرے خیال مین لسان العصر جیسے شخص کا یہ ایک خط عمر بھر کی محنتون کی تلافی کردینے کے لئے کافی ہے۔ مجھے اس پر ناز اور بجا ناز ہے)

ایضاً۔ خط ثانی۔ مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مین نے آپکی کتاب الٰہ آباد ہی مین کل دیکھ لی تھی جو نیاز نامہ مین نے لکھا تھا۔ اس مین اور کچھ اضافہ ہونا چاہئے تھا۔ بعض باتین مجھکو نئی ملین۔ جن پر آپ وسعت نظر کی داد کے مستحق ہین۔ خیر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے دلی جوش سے لکھی ہے۔ اللہ یہ نور ایمان مبارک کرے۔ دعائے خیر کا طالب ہون۔

خاکسار اکبر۔ امین آباد پارک لکھنؤ ۲۱ اگست ۱۹۱۶ء

عالیجناب معلی القاب نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔

جناب من۔ آج عید کا دن ہے۔ خدا مبارک کرے۔ مین آج یہ چند سطرین اس غرض سے لکھتا ہون کہ آپ یہ خیال نہ کرین کہ مین آپکی کتاب کو بھول گیا یا آپ کے مرحمت نامہ کی پروا نہین کی مین باوجود

کثرت کار و افکار و ضعف صحت آپکی کتاب کو پڑھ رہا ہون نصف سے زیادہ مطالعہ کر چکا ہون خدا آپکو اجر عظیم عنایت کرے۔ کتاب نہایت عمدہ ہے۔ اور ایسی کتابونکی فی زمانہ بڑی ضرورت ہے۔ بخت ضرورت ہے بیحد ضرورت ہے۔ اس قسم کی تعلیم ہمارے نوجوانون کو نہ ملے گی تو دنیا و آخرت انکی دونون خراب جائینگی۔ اس کو مدارس کی اعلیٰ جماعتون مین سبقاً پڑہانا چاہیے۔ سبقاً نہین تو اقل مرتبہ اس کتاب کے مضامین مین امتحان سالانہ لینا چاہیے۔ اور انکے لئے کامیابون کو انعام دینا چاہیے۔ میرا ریویو انشاءاللہ بہت جلد آپکو پہنچیگا۔ سید حسین بلگرامی۔ سیف آباد۔ حیدرآباد دکن۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

ایضاً خط ثانی۔ جناب من تسلیم۔ مرحمت نامہ پہنچا۔ مین بہت خوش ہون کہ آپکو میری تقریظ پسند آئی اس مین عیب اسقدر ہے کہ مضامین کتاب کی طرف تفصیل کے ساتھ اشارہ نہین ہے۔ آپکی کتاب مین ایک بڑا وصف یہ ہے کہ مبالغہ آمیز نقلون اور حکایتون سے مبرا ہے جنکی اول تو تصدیق مشکل سے ہوسکتی ہے ثانیاً اس زمانہ کے ساتھ موافقت نہین ہے۔ اور ثالثاً ہمارے مذہب کو اس کی ضرورت ہی نہین ہے۔ خود اس کی ابتدا اور دس برس کے اندر اسکا ایسی عالیشان منزلت حاصل کرنا اور تعجب انگیز قوت پکڑنا خود معجزہ ہے سچ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک معجزہ ہے۔ البتہ ایسی کتاب کا فروخت ہونا مشکل ہے۔ اگر ناول بخصوصاً اگر خلاف تہذیب ناول ہو تو ہاتھون ہاتھ بک جائے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

سید حسین بلگرامی۔ ۲۰ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۴ھ

تقریظ از جناب ممدوح الصدر۔ مین نے مفتی انوار الحق صاحب ایم۔ اے کی کتاب حقائق اسلام کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ اور اثناء مطالعہ مین پروردگار کا ہزار ہزار شکر کرتا رہا۔ کہ اسکے فضل و کرم سے ہماری قومی زبان مین ایسی کتابین تالیف ہونے لگین جنکی ہمارے نوجوانون کو سخت ضرورت تھی۔ اللہ تعالے جناب مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔ جنہون نے آسان اور سلیس الفاظ مین اسلام کی معجز نما خوبیون کو ظاہر کر دیا۔ اور دکھا دیا کہ ہماری کتاب آسمانی بلاشک و شبہ کتاب آسمانی ہے اور اس کی تعلیم تمام جہان کے محاسن پر حاوی ہے۔ اور اسقدر وسیع اور مطابق فطرت

ہے کہ اس کی معجزہ ہونے مین کوئی انصاف پسند فرد بشر شک و شبہ نہین کر سکتا بشرطیکہ تعصب سے
پاک ہو کر اس کا مطالعہ کرے۔ ایسے مطالعہ کرنیوالے پر واضح ہو جائیگا کہ اس بے نظیر اور معجز کتاب
آسمانی کے حامل و مروّج ہمارے رسول مقبول علیہ الف الف تحیۃ والسلام فقط بنی اسرائیل یا بنی
اسمٰعیل یا ابنائے عرب کے لئے نہین بلکہ تمام دنیا اور ہر فرد بشر کے لئے مبعوث ہوئے تھے جنکی
ساری زندگانی اور اس محترم زندگانی کے سارے اعمال و افعال و اقوال سراسر معجزے تھے جناب
مفتی صاحب نے عام فہم الفاظ مین صاف ظاہر کر دیا ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر یا حکیم یا رشی کی تعلیم
اس قدر مطابق فطرت اور بہمہ وجوہ جامع و مانع اور متمدن دنیا کے لئے مفید و مصلح حال نہین ہے
جیسے قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم۔ میری رائے ناقص مین یہ کتاب اس لایق ہے
کہ مدارس کی اعلیٰ جماعتوں مین تمام مسلمان طلبہ کو سبقاً سبقاً تفصیل کے ساتھ سمجھا کر پڑہائی جائے یا اقل
مرتبہ سال مین ایک بار اسکے مضامین مین امتحان لیا جائے اور کامیابون کے لئے انعام مقرر کیا جائے
اگر اس کتاب کا انگریزی مین ترجمہ ہو جائے تو بہت مناسب ہے۔ تاکہ انگریزی دان لوگ بلکہ عیسائی
مشنری صاحبان بھی اس سے مستفید ہو سکین۔ سید حسین بلگرامی

جناب مولوی خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی مبلغ اسلام انگلستان

نحمدہ ونصلی۔ .... مکرمی مفتی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ..... ہان مین نے علیگڈہ
مین بھی عرض کیا تھا اور بھوپال مین بھی خدارا آپ وہ کتاب جلدی چھاپ دین۔ وہ تو بہت ہی مفید
ہے۔ اور آپکی خدمت مین پھر عرض کرتا ہون کہ اسکے بعض مضامین تو آپ انگریزی مین ترجمہ کر کے
ضرور مجھے بھیجدین۔ مین انکو اسلامک ریویو مین نکالدونگا۔ آپ یہ کام بفضلہ کر سکتے ہین۔ ہان کوشش
شرط ہے۔ اگر آپ جیسے بزرگ میری علمی معاونت نہ کرین گے تو اور کون کریگا۔ بہرحال یہ کتاب
جس صورت مین ہے اب بہت جلد چھپ جانی چاہیئے۔ والسلام۔ خواجہ کمال الدین از کراچی معرفہ ۹ فروری
(یہ خط جناب خواجہ صاحب نے کتاب کی طبع و اشاعت سے پہلے تحریر فرمایا تھا۔ اسکا مسودہ بھوپال مین ان کی نظر سے گزر چکا تھا)

جناب آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ ممبر کونسل و زیر ہند بہادر

مکرمی تسلیم ...... آپکی کتاب حقائق اسلام کو مینے دیکھا۔ بغیر کسی قسم کے تصنع کے عرض ہے کہ جس مضمون پر کتاب ہے۔ اور اُس مین جن مسائل پر بحث ہے ان مین زیادہ تر اس قسم کے ہین کہ مجھ جیسے محدود علم کے شخص کیلئے انکی نسبت رائے زنی کی جرات کرنا ٹھیک نہین ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایسے اہم مسائل کے سمجھنے کے لئے مین دل سے کوشان ہون لیکن اسوقت تک مین اپنے آپکو اس قابل نہین پاتا یا سمجھتا کہ ایسی تصنیف کے متعلق رائے عرض کرنے کی جرات کرون۔ البتہ یہ میری رائے ہے کہ اس قسم کی تصانیف کی ضرورت ہے۔ اور آپنے اپنی نہایت قیمتی معلومات کو جس مقصد کے لئے صرف کیا ہے وہ نہایت ہی اہم اور اعلیٰ ہے۔ اس مین مجھکو ذرا بھی شک نہین کہ اسلامی اخلاق کا فقدان بہت زیادہ اس سبب سے ہے۔ کہ اسلامی بنیادی اصول کے متعلق ہمارا عقیدہ تاریک اور ڈھیلا ہے مثلاً توحید جو اصل اصول تمام اسلامی ہدایت کا ہے۔ اسکا پورا اثر اور احاطہ اور تسلط ہماری زندگی پر ہونے کیلئے جس روشن اور خالص اور بلا تذبذب اور قطعی عقیدہ کی ضرورت ہے وہ ہمارا نہین ہے اس لئے گو ہماری زبان پر خدا کا نام اور دل مین خدا کا خیال ہے لیکن توحید کے حقیقی عقیدہ کا۔ جو اقتضا ہے۔ اُس کے مطابق عمل نہین ہے۔ پس آپکی یہ کوشش نہایت سعید و مبارک ہے کہ اس زمانے کیلئے تعلیم یافتون کے عقیدے کی اصلاح کیلئے آپنے اپنے علم۔ توجہ اور وقت کا اس قدر حصہ صرف کیا ہے خدا آپکو جزائے خیر دے۔ مجھکو امید ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالےٰ آپکی کتاب کا نیک اثر ہوگا۔ اور جس مقصد سے آپنے اسقدر محنت کی ہے اس مین آپکو کامیابی ہوگی۔ فقط ..... آفتاب احمد خان ۲۹ر اگست ۱۹۱۶ء

جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور ......

مکرمی مفتی صاحب تسلیم .... حقائق اسلام کا بیشتر حصہ مین نے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی مشکور فرمائے۔ یہ کتاب آجکل کے نوجوانون کے لئے نہایت مفید ہوگی۔ آپکا خادم محمد اقبال ......۱۳ر جولائی سنہ ۱۶ء

جناب مسٹر عبدالصمد خان صاحب بی۔اے ملیٹری سکریٹری دربار بھوپال......

معظم بندہ تسلیم .... مین نے آپکے مسودات حقائق اسلام نہایت غور سے دیکھے۔آپنے اپنے خیالات نہایت قابلیت کے ساتھ ظاہر کئے ہین۔اور آپکی یہ محنت قابل داد و ستائش ہے زبان بھی پاکیزہ اور طرز استدلال بھی معقول ہے۔انشاءاللہ آپکی یہ کتاب عام طور پر مقبول ہوگی فقط

خاکسار عبدالصمد ملیٹری سکریٹری ..... ۲۵ مارچ ۱۹۱۶ء

جناب خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم صاحبہ ایم۔آر۔ایس ممتحنہ کلکتہ یونیورسٹی....

کتاب "حقائق اسلام" تصنیف جناب مفتی محمد انوارالحق صاحب ایم۔اے۔منشی فاضل۔مین نے اول سے آخر تک نہایت دلچسپی سے پڑھی۔اس کتاب کو مصنف نے بظاہر تو انگریزی خوانون اور متزلزل الایمان آزاد پسند طبقہ کو مستفیض کرنے کی غرض سے لکھا ہے مگر میرے خیال مین یہ کتاب پرانی تہذیب والے حضرات اور نئی روشنی کے اصحاب دونون کیلئے یکسان مفید۔سبق آموز و نتیجہ خیز ہے۔عقائد کے باب مین مینے مسئلہ توحید کو بہت دلچسپی سے پڑھا۔یہان سارے مضمون کا لب لباب اس ایک شعر پر ہے۔

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست ؎ ہر جا کنیم سجدہ بدان آستان رسد ؎

اور یہان بالغ نظر مصنف نے اپنے وسعت خیال کا ثبوت دیا ہے کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ

گفتگوئے کفر و دین آخر بیک جا میرسد ؎ خواب یک خواب است لیکن مختلف تعبیرہا

آداب و معاملات کے باب مین صنف ضعیف اور اسلام کی بحث مینے خاص توجہ سے پڑھی کل مسلمانون کو خداوند کریم اسلام کی اس پاک تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق دے۔جیسے مردون کے حقوق عورتون پر ہین ویسے انکے حقوق مردون پر ہین وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ اسلام اور روحانیت کا مضمون نہایت نفیس اور پاکیزہ ہے۔مشاغل دنیوی کے ساتھ خدا سے واصل رہنے کے مضمون کو اس شعر مین خوب ادا کیا ہے۔

یاد از نگاہ گیر طریق سلوک را ؎ در عین آشنائے مردم رسیدہ باش

نفع رسانی اور اپنے نقصان سے اوروں کو مستفید کرنے کی بحث پر کیا عمدہ اقتباس کیا ہے۔

شمع بنکر بزم ہستی مین بسر کر زندگی ؛ تاکہ تیرے سوز سے سارے جہان مین نور ہو

یعنے اگر اپنے ایثار سے دوسرون کو نفع نہ پہنچے تو پروانہ کیطرح اپنے کو خاکستر کر دینے سے کیا فائدہ حق تو یہ ہے کہ یہ کتاب اول سے آخر تک اپنی خوبیون سے مملو ہے دینیات کے خشک اور عبوس مضامین کو کچھ فاضل مصنف ہی کا حق تھا کہ اسقدر دلکش اور موثر پیرایہ سے مزین کیا کہ جس بحث کو پڑھیے "کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست" اور کیون نہ ہو یہ فاضل مصنف کے تحصیل علوم مشرقی واکتساب فنون مغربی کا مشترک ثمرہ ہے۔ میری عقل ناقص مین ہر مسلمان کے پاس عام اس سے کہ وہ انگریزی خوان ہو یا عربی دان اس کتاب کا رہنا ضرور ہے۔ اور مین مصنف کو انکی اس کامیابی پر دلی مبارکباد دیتی ہون۔ فقط.... خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم کلکتہ ایم۔ آر۔ ایس

جناب ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی۔ پی ایچ۔ ڈی

بیرسٹرایٹ لا آنریری فائلولاجیکل سکرٹیری رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال وغیرہ

چونکہ ان مضامین کے موضوع سے جن پر حقائق اسلام محتوی ہے مجھے دلی تعلق ہے۔ باوجود کثرت اشغال و علالت کے مینے اسکو شروع سے اخیر تک پڑھ ڈالا ہمشیرہ محترمہ جنابہ سہروردیہ بیگم صاحبہ کی تقریظ نظر سے گذر چکی ہے۔ اور اسلیے بغیر انکے خیالات کے سرقہ کے اپنی رائے ناقص کا اظہار میرے لئے ایک حد تک دشوار بن گیا ہے۔ لہذا میرے لیے انکی رائے گران قدر کیساتھ اتفاق ظاہر کرنے پر اکتفا کرنا ہی الیق والنسب ہے فی الحقیقت آپکی جدید تصنیف کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے مفید۔ دلچسپ سبق آموز اور نتیجہ خیز ہونا چاہیئے۔ فقط .... مخلص خیر طلب بدی خاکسار عبداللہ المامون سہروردی

جناب مولوی مسٹر عبدالحق صاحب۔ بی۔ اے انسپکٹر مدارس اورنگ آباد۔ آنریری سکرٹیری انجمن ترقی اردو

مکرمی...... تسلیم..... میری رائے مذہب کے بارے مین یہ ہے کہ اسکا ذوق بھی کچھ فطرتی ہی ہوتا ہے جسطرح فنون لطیفہ کا... آپکی کتاب ان لوگون کیلئے یقیناً مفید ہے جو ڈانوان ڈول ہین۔ لیکن جو اس سے پرے گذر گئے ہین انکے کام کی نہین جب خدا کے کلام کا ہی اُن پر اثر نہین ہوتا تو انسان کے دلائل وبراہین کس گنتی مین ہین۔

ہان نئے طالبعلمون کے لئے یا جو جدید سائنس اور معلومات سے سرسری واقفیت رکھتے ہین ان کیلئے
یہ کتاب دلیل راہ کا کام دیگی۔ اور انکے خیالات پر بہت اچھا اثر ڈالے گی۔ پیرایۂ بیان اور عبارت
کی شگفتگی نے بھی اسے دلکش بنا دیا ہے۔ اور آپ درحقیقت قابل مبارکباد ہین ...... نیاز مند عبدالحق

جناب شمس العلما مولانا مولوی قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوانی پروفیسر ٹریننگ کالج لاہور

فاضل ہمہ دان اور علامۃ القران جناب مستطاب الالقاب مولوی مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم۔ اے و منشی فاضل
ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم۔ ریاست محروسہ بھوپال کی کتاب جو اسلام کی خوبیون پر لکھی گئی ہے مینے نہایت
ذوق و شوق کے ساتھ حرف بحرف مطالعہ کی۔ کتاب ترتیب مضامین۔ طرز بیان۔ دلائل زبردست
اور ہر قسم کی خوبیون کے لحاظ سے بالکل بے نظیر۔ اور زمانہ حال کے تعلیم یافتہ نوجوانون کے ازالۂ
شکوک اور تصفیۂ قلوب کے لئے نہایت شافی اور کافی ہے فی الواقع زمانہ حال کی ضروریات
کے مطابق اس قسم کی مفید کتاب ابتک کسی نے اردو زبان مین نہین لکھی۔ جناب مفتی صاحب
موصوف پر خدا کی رحمت ہو جنہنے ایسے پاکیزہ خیالات اور مبارک اعتقادات ایک عام فہم
زبان مین شائقین کے فائدے کے لئے بیان کر دیئے۔ مین امید کرتا ہون کہ اس کتاب کے مطالعہ
سے جدید روشنی کے محصلین کے دلون پر نہایت عمدہ اثر ہوگا۔ جسکا اجر عظیم جناب مصنف فاضل
کو ملے گا۔ ہمین جناب مفتی صاحب ممدوح کا نہایت ممنون ہونا چاہیئے جس نے اسلام کی ایسی قابل قدر
خدمت کی۔ کیونکہ انگریزی خوانون کے اعلیٰ طبقات مین اس قسم کے راسخ الاعتقاد اور کامل العقیدت
اور نیک اصحاب بہت کم ہین۔ ہمین جناب موصوف کے وجود مسعود پر فخر کرنا چاہیئے فقط

الراقم قاضی میر احمد شاہ رضوانی ساکبر پور ضلع پشاور ...... ۱۹ را گست ۱۹۱۶ء

جناب مولانا مولوی سید ضمیر الدین صاحب رئیس پٹنہ سابق چیف سکرٹیری دربار بھوپال

مفتی صاحب ..... السلام علیکم ..... مینے آپکی کتاب حقائق اسلام کو من اولہ الی آخرہ بالاستیعاب
پڑھا ماشاء اللہ آپ نے اس کی تصنیف مین معلومات قدیمہ وجدیدہ دونون سے نہایت محققانہ
وبا اصول طریقہ سے کام لیا ہے۔ جہانتک مینے بغور دیکھا۔ آپنے اس کی براہین اور عبارت دونین

گنجلک سے احتراز کیا ہے۔ اور وضاحت و سلاست مدنظر رکھی ہے۔ تمہید مین اسلام اور اسکی تعلیم۔ اور اسکی اپنی خوبیون کی رو سے تمام ادیان پر برتری پر جو کچھ آپنے لکھا ہے وہ نہایت ہی قلّ و دلّ ہے۔ مذہب کا کیا مفہوم ہونا چاہیئے اور مذہب کی کیا علت غائی ہے۔ اور اسلام نے اس مفہوم اور علت غائی کو کہانتک سمجھا۔ اور کہانتک انکو اپنے ارکان و اعمال مین ملحوظ رکھا۔ اس کو جس خوبی سے آپنے مختلف مضامین کے دوران بحث مین دکھلایا ہے وہ نہایت ہی قابل ستائش ہے۔ توحید کے بارے مین جو ارتقائی بحث کی گئی ہے اور اسلام کی توحید کی دیگر ادیان موجودہ سے مقابلہ کرکے جسطور سے برتری ثابت کی گئی ہے وہ بھی آپکے دقت نظری کی دلیل ہے۔ رسالت کی بحث بھی نہایت معقول کیگئی ہے اور قابل داد ہے۔ ایمان بالقدر کی بحث بھی عام فہم ہے۔ اگرچہ یہ تو نہین کہہ سکتے۔ کہ بہت جامع ہے۔ تاہم مخالف کے لئے مسکت ضرور ہے اور عام لوگون کے لیے جو یورپ کی تقلید مین سارے مسائل اسلامیہ پر بلا سمجھے بوجھے اور بلا چھان بنان زبان اعتراض کھولنے کے لئے تیار رہتے ہین کافی و وافی ہے۔ آپنے جو بحث اسلام اور معجزات پر کی ہے وہ نہایت ہی جامع اور مسکت ہے۔ میرا خیال یہ ہے۔ کہ اس کو پڑھکر پھر کوئی شخص جسکو ذرہ برابر بھی دیانت و عقل سے حصہ ملا ہوگا۔ اسلام پر معجزات کے بارہ مین اعتراض نہین کرسکتا۔ صنف ضعیف اور اسلام۔ اسلامی قانون ازدواج پر بھی جو بحثین کی گئی ہین وہ قلّ و دلّ ہین۔ اور مین آپ کو مبارکباد دیتا ہون۔ کہ آپ ان مین نہایت پورے طور سے کامیاب ہوئے ہین۔ اسلام اور روحانیت کی بحث بھی اچھی ہے خصوصاً وہان پر جہان آپ نے اسلام کے اعمال سے اس کو دکھلایا ہے کہ اس کے سارے اعمال کتاب روحانیت کے کھلے اوراق ہین لیکن مین اتنا ضرور کہون گا کہ اس مضمون پر ابھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ تاہم آپکے مقصود کے لئے جتنا کہ آپ نے لکھا ہے کافی ہے۔ باقی دوسری بحثین بھی اپنی اپنی جگہ پر کافی ہین۔ اور نہایت خوبی متانت سلاست اور منطقی اصول سے کیگئی ہین۔ دلیلین معقول اور زبردست ہین اور طرز بیان سلیس اور دل مین کہبتا ہوا۔ بات یہ ہے کہ ہماری کتاب خوبیون سے بھری ہے۔

اگر کچھ نقصان ہے بھی تو اسکی خوبیوں کے مقابل میں وہ قابل ذکر نہیں۔ آپنے جس خوبی دقت نظری راستی اور بے تعصبی سے اسکو لکھا ہے۔ خدا آپکو اسکی جزائے خیر دے اور آپکی یہ تصنیف پھلے پھولے۔ اور جس مقصد سے لکھی ہے اس میں کامیاب ہو۔ داعی بالخیر سید ضمیر الدین احمد۔ ۲۷ جولائی ۱۹۱۶ء

جناب مولوی انیس احمد صاحب بی۔ اے۔ فیلو علی گڑھ کالج

مخدوم محترم جناب مولوی صاحب۔ اسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جناب والا کی کتاب "حقائق اسلام" پہنچی۔ بے حد مشکور ہوا۔ اس کو شروع سے لیکر اخیر تک پڑھا بہت ہی دلچسپ و مفید کتاب ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب کالج کے طالبعلموں کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی خدا کرے جناب کو اسلام کی خدمت کا اور زیادہ موقع ملے۔ جناب کو معلوم ہے کہ مذہب کی تائید میں اسقدر عمدہ کتابیں لکھنے ولے ہندوستان میں کسقدر کم ہیں۔ امید ہے کہ جناب والا اپنی توجہ اسی کام میں مصروف رکھینگے۔ بعض مقامات پر تو آپکا زور قلم بہت ہی کامیاب ثابت ہوا ہے۔

نیازمند انیس احمد علی گڑھ۔ ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء

جناب مولوی حافظ عبد الغفار صاحب مدرس اول دینیات الگزنڈرا اسکول بھوپال

کتاب حقائق اسلام کا ہیچمدان نے من اولہ الی آخرہ مطالعہ کیا جو نکات و غوامض اور اسرار و دقائق اسلام جناب نے بیان فرمائے ہیں اور وہ بھی اس صفائی و وضاحت کے ساتھ کہ محض اردو خوان بھی اگر شوق و رغبت کے ساتھ پڑہے تو اسکے بھی دلنشین ہوجائیں۔ یہ امداد غیبی اور موہبت ازلی ہے۔ بمقابلہ ادیان مروجۂ عالم کے دین اسلام کی برگزیدگی و فضیلت اور اس کی حقانیت و موافقت قانون فطرت جو دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے جناب نے اس خوبی کیساتھ ثابت فرمائی ہے کہ وہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ ع "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" کتاب سراپا محاسن و خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ صفائی بیان حسن ادا۔ آمد مضامین تسلسل عبارت شستگی و ثقاہت و متانت الفاظ کس کس چیز کی داد دیجائے۔ میری رائے ناقص میں ہر انگریزی خوان مسلمان بچہ کو اس کتاب کو اول سے آخر تک ضرور پڑھنا چاہئے تاکہ سائنس و فلسفہ کا بمقابلہ اسلام کے اسکے دل پر برا اثر نہ پڑے۔ خاکسار عبد الغفار

اخبار وطن .... لاہور .... ۲۱ جولائی ۱۹۱۶ء

حقائق اسلام کے نام سے مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم۔ اے ڈائرکٹر تعلیمات ریاست بھوپال وخلف الرشید شمس العلماء مفتی مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی نے حسب ارشاد علیا حضرت جناب بیگم صاحبہ ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے جس مین بطریق معقول و براہین مقبول فلاسفہ اور دہریون پر اسلام کی روشن حقیقتین واضح کی گئی ہین۔ کاغذ لکھائی چھپائی بھی نفیس ہے۔ اور ضخامت پونے چار سو صفحات کے قریب ہے قیمت عہ روپیہ ہے مؤلف ممدوح سے ملیگی۔

اخبار وکیل ...... امرتسر .... ۲۳ دسمبر ۱۹۱۶ء

اسلامی اصول وآئین سے مسلمانون کی بے خبری انہین ترک پابندی اسلام پر مجبور کررہی ہے۔ اور دیگر اقوام مسلمانون کی موجودہ روش کو دیکھکر خود اسلام ہی کو مجموعۂ اوہام سمجھنے لگے ہین۔ اس بنا پر دین الفطرۃ کو گوناگون اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ لہذا اغیار واجانب کی نشانہ بازی مذہب سے ناواقف مسلمانون کو اسلام سے اور بھی دور پھینک رہی ہے۔ لیکن کیا حساس و ذمہ دار مسلمانون نے اس کا چارہ کار سوچا۔ ہم نہایت خوشی سے اعلان کرتے ہین۔ کہ جناب مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم۔ اے منشی فاضل ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال نے جو ہندوستان کے نامور فاضل شمس العلماء مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی کے لائق فرزند ہین۔ اس فرض کو اچھی طرح محسوس کرکے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے جناب ممدوح نے حال مین ایک بدیع المثال کتاب حقائق اسلام کے نام سے شائع کی ہے جس مین اسلام کے عقائد اعمال وعبادات اور آداب و معاملات وغیرہ سے علوم قدیمہ وجدیدہ کی رو سے معقولیت اور متانت کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور اسلام کی حقیقت وحقانیت کو جدید طریق استدلال سے قابل قدر پیرایہ مین ثابت کیا ہے ہماری رائے مین مسلمانون کو اس بیش گرانمایہ سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یہ پونے چار سو صفحات کی کتاب دو روپیہ قیمت مین گران نہین ہے۔

اخبار تہذیب نسواں ...... لاہور ...... ۲۵ ستمبر ۱۹۱۰ء

حقائق اسلام۔ یہ ۲۷۲ صفحہ کی کتاب اوسط تقطیع پر نہایت صاف اور خوشخط چھپی ہوئی ہے۔ مولوی انوار الحق صاحب۔ ایم۔ اے۔ منشی فاضل نے جو ریاست بھوپال کے ایک تعلیمی افیسر ہین حضور بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا کے ایماء و توجہ اور امداد سے یہ بیش قیمت کتاب مسلمانون کے فائدہ کے لئے تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان صاحب علم کیلئے نہایت ضروری اور دلچسپ ہے پہلے حصہ مین عقائد قلمبند کئے گئے ہین۔ نہایت عمدگی سے توحید۔ تصدیق۔ رسالت۔ ایمان بالقدر اعتقاد حشر و نشر اور معجزات پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ مین اعمال و عبادات کا حال ہے صلوٰۃ۔ صیام۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ حصہ سوم آداب معاملات مین عام اخلاق۔ اخوت اسلام۔ رعایت حقوق صنف نازک قانون ازدواج حرمت ربوا غلامی و اسلام وغیرہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چوتھا حصہ متفرقات مین ہے۔ اس مین اسلامی تیوہار۔ رسوم اسلام بلعام اہل اسلام روحانیت اور مسلمانون کی موجودہ حالت کا بیان ہے۔ کہنے کو تو یہ اسلام کے وہی خاص مضامین ہین جو ہماری تمام مذہبی کتابون مین درج ہین۔ لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت سے غور و خوض کے ساتھ مباحث کو حوالۂ قلم کیا ہے۔ اور ان مضامین کو ایسا دلچسپ بنا دیا ہے کہ جب تک کتاب کو مسلسل نہ پڑھ لین چھوڑنے کو دل نہین چاہتا۔ جس جگہ اسلام کے معترضین کے عقلی اعتراضات کے معقول جواب دیئے ہین وہ مقام پڑھکر دل خوش ہو جاتا ہے۔ بحث مین نہایت اعتدالی روش اختیار کی ہے۔ یہ کتاب ہر تعلیم یافتہ مسلمان بی بی کے پاس ہونی ضروری ہے۔ کیونکہ بعض موقعون پر غیر مذاہب کے لوگون سے اگر اسلام کی حقیقتون پر بحث آپڑے تو اکثر لوگ اس قدر ناواقف ہوتے ہین کہ جواب بن نہین آتا۔ اور خاموش ہونا پڑتا ہے۔

اخبار مدینہ ...... بجنور .... ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء

حقائق اسلام۔ اس کتاب کو جناب مفتی مولوی انوار الحق صاحب ایم۔ اے۔ منشی فاضل

ڈائرکٹر تعلیمات۔ ریاست بھوپال نے بارشاد وحکم جناب عالیہ ہر ہائنیس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ بالقابہا والیہ بھوپال عجیب خوبی و جدید طرز بیان سے مذہب اسلام کی خدمت کیلئے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب مین جو مسائل مندرج ہین ان مین سے جن پر فلسفیانہ اعتراض پڑتے تھے مالہٗ وماعلیہ نظر کرکے سب کا جواب دیدیا ہے۔ توحید۔ اور ایمان وعقائد سے بحث کیگئی ہے۔ پھر اعمال فرائض نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اور بعث ونشر یعنی قیامت کا بیان لکھنے کے بعد آداب معاملات کے ضروری مسائل عام فہم عبارت مین لکھے گئے ہین۔ مسائل ازدواج و غلامی کے متعلق جو احسانات شریعت کے ہین ان کی تشریح کی ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے مصنف کی اعلیٰ قابلیت کا صرف اندازہ ہی نہین ہوتا بلکہ بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ مرد۔ عورت سب کے حق مین جسکو بھی اسلام سے علاقہ ہے اس کتاب کی تحریر مفید ہے۔ اس کی فہرست مضامین طویل ہے جسکی تمام خوبیان اسکے ملاحظہ اور کتاب کے دیکھنے سے آشکار ہونگی۔ یہ کتاب ہر گھر مین رہنے کے قابل ہے۔ اردو بیان سادہ اور سلیس لکھا گیا ہے۔ لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ سب اعلیٰ درجہ کا ہے۔

انکے سوا اور بھی بہت سے اخبارات و رسائل نے اس کتاب پر نہایت مادحانہ تقریظین کی ہین جنکا مین تہ دل سے شکرگزار ہون اور بہت سے احبابنے اس کتاب کو پڑہنے کے بعد خود ہی مجھے اسکی نسبت اپنی رائے سے مطلع فرمایا ہے۔ اور اکثر و بیشتر نے نہایت پسند بھی کیا ہے۔ لیکن جو حضرات کتاب کو دیکھنے سے پہلے اسکی بابت رائے قایم کرنا چاہین انکے لئے مندرجہ بالا شہادتین ہی بہت ہین۔ ع

عاقلان را اشارۂ کافیست ،، زیادہ سمع خراشی کی کیا ضرورت ہے۔

والسلام خیر الختام

تذکرۃ الحبیب

کی نسبت عالیجناب حضرت لسان العصر اکبر الہ آبادی فرماتے ہین۔

کرمی خط صاف و روشن تھا عبارت مین الجھن نہ تھی مضمون لپٹ تھا

اس خیال سے کہ زندگی کا اعتبار نہین۔ کار امروز بفردا مگذار۔ مین نے دو ہی دن مین باوقات مختلف آپکی کتاب اول سے آخر تک حرف بحرف پڑھ لی۔ اسناد کی فکر سے مستغنی تھا۔

مین نے اس زمانہ مین اردو زبان مین کسی مصنف کا بیان ایسا صاف اور بے تکلف باوجود اس کے پرجوش اور دلکش نہین پایا تا مصنفین کا خیال ہوتا ہے کہ اپنی انشا پردازی کی استعداد ظاہر کرین وسعت معلومات کا جلوہ دکھائین اس سبب سے عموماً تحریر مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مین نے آپ کی دونون کتابون مین جو مین نے پڑھین (یعنی حقائق اسلام اور تذکرۃ الحبیب) آپ کی تحریر کو صاف اور نیچرل پایا کیون نہ ہو ن علمہ البیان کا مصداق آپ ہین۔ اگر ایسا لکھ سکتا بہت کام کرتا۔ آپ کا دل نور ایمان سے منور ہے۔ آپ کے بیان مین فطرتی جوش پایا جاتا ہے۔ اسی سبب سے بیان ایسا صاف اور مسلسل ہے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور دل لگا کر سن سکتا ہے بیہودہ بیان مجالس میلاد شریف کی جگہ اگر یہ کتاب پڑھ کر سنائی جاے تو وہی ثواب ہو اور علم دین کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اس قسمت اہل علم کو اڈیٹرون نے بہت خطاب دے رکھے ہین۔ مین اڈیٹر نہین ہون۔ ورنہ آپ کو غزالی ہند کہتا۔ مین کیا اور میری راے کیا ع

"میری ہستی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی"

لیکن مین امید کرتا ہون کہ آپ اس انجمن مین بہت فروغ حاصل کرین گے

٦١ اکبر حسین